﴿ویَسئَلُوُنکَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوُحُ مِنُ اَمُرِرَبِّیُ﴾

زبدۃ السلوک

ازافادات

حضرت مولانا پیرذوالفقاراحمدصاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

مرتب

فقیرصلاح الدین سیفی نقشبندی عفی عنہ

1

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	........................زبدۃ السلوک........................
صاحب خطبات	حضرت حافظ پیرذوالفقاراحمدصاحب نقشبندی مجددی مدظلہ
مرتب	..................فقیرصلاح الدین سیفی نقشبندی عفی عنہ
کمپوزنگ	....حافظ ظفراحمدسیفی
سنہ اشاعت	..................١٤٢٩ھ ٢٠٠٨ء
مطبع	
ملنے کا پتہ	ادارہ فیض فقیر، ترکیسر سورت، گجرات، (انڈیا)

IDARAH FAIZE FAQIR

P.O. TADKESHWAR.SURAT.GUJARAT

(INDIA)

Email: salahuddin.s.safi.@sify.com

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

کتاب سے پہلے

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى امابعد !

زیر نظر کتاب ﴿زبدۃ السلوک﴾ حضرت حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی ان مجالس کا مضمون ہے جن کو حضرت والا نے ماہ رمضان المبارک ۲۰۰۷ء کے اعتکاف میں ملک زامبیا میں بعد نماز تراویح خلفاء اور سالکین علماء کے درمیان بیان فرمایا تھا، انہیں مجالس میں حضرت والا نے اس بات کو زور دے کر فرمایا کہ یہ کوئی فن نہیں کہ جس کو پڑھایا جائے یہ عمل ہے، یہ قال نہیں حال ہے، اور فرمایا کہ آپ جس سلسلہ کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کر رہے ہو یہ اس کی اصطلاحات ہیں، ہرگز ہرگز اس بات کا شکار مت ہونا کہ یہ سلسلہ افضل ہے فلاں سلسلہ افضل نہیں ہے، تمام سلسلوں میں اللہ کے مقرب بندے موجود ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام کی برکات عطا فرمائے۔

اس کتاب کی تیاری میں اس عاجز کا جن حضرات نے تعاون کیا اللہ رب العزت انکو اس کا بہتریں صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے بالخصوص صدیق نوجوان ریحان راوت، اور الحاج یونس سلیمان کو اللہ رب العزت انکی گود خوشیوں سے بھر دے آمین، اللہ رب العزت حضرت کو سلامت با کرامت رکھے اور آپ کے فیض کو تا قیامت جاری رکھے آمین یارب العالمین

والسلام

فقیر صلاح ال؛ دین سیفی نقشبندی عفی عنہ

مضامین ایک نظر میں

﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِرَبِّیْ﴾

انسان
جسم وروح کا مجموعہ ہے

ازافادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

فہرست عناوین

اللہ اللہ اللہ

اقتبـــــاس

یہ ''تصوف وسلوک'' کوئی اجنبی چیز نہیں یہ خالص عربی چیز ہے قرآن مجید میں اس کو ''تزکیہ اور احسان'' کے نام سے یاد کیا گیا گو کہ وقت کے ساتھ ساتھ جب مشائخ نے اس پورے علم کو مدون کیا تو اس کا نام ''تصوف'' مشہور ہو گیا، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج جو ہم اعمال ظاہرہ کرتے ہیں ان کو فقہانے نبی علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن اور احادیث کے اندر سے اکٹھا کر لیا یہ ہیرے اور موتی ہیں جو انہوں نے قرآن اور حدیث میں سے نکالے تو فقہانے کوئی نئی چیز ''بنائی'' نہیں بلکہ انہوں نے شریعت کی باتیں ''بتائی'' ہیں بنانے میں اور بتانے میں بڑا فرق ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا، جو شریعت میں موجود تھا جس تک ہر بندے کا دماغ نہیں پہنچ سکتا تھا انہوں نے احسان کیا اپنے بعد آنے والوں پر کہ انہوں نے ہیرے موتی کو یکجا کر دیا۔

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا پیر

حافظ ذوالفقار احمد صاحب

نقشبندی مجددی زید مجدہ

2

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد......!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ☆ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾

(سورۂ بقرہ)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

انسان دو چیزوں کا نام ہے ایک جسم اور دوسرا روح۔
جسم عالم خلق میں سے ہے اور روح عالم امر میں سے ہے۔

عالم خلق کی تعریف

''عالمِ خلق'' کہتے ہیں وہ جہان کہ جس کی چیزوں کو اللہ رب العزت نے تدریجاً بنایا جیسے زمین، آسمان، ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ اللہ نے زمین کو دو دن میں بنایا آسمان زمین کو ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دن میں بنایا جیسے بچہ ماں کے پیٹ میں تدریجاً پیدا ہوتا ہے، بیج تدریجاً پودا بن کر درخت بنتا ہے، اس دنیا میں آپ جس چیز کو بھی دیکھیں گے وہ تدریجاً اپنے کمال کو پہنچتی ہے، اس کو عالم خلق کہتے ہیں۔

ایک ایسا بھی جہان ہے کہ جس کی چیزوں کو اللہ نے ''کُن'' سے پیدا کیا ﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ چنانچہ فرشتہ، جنت، جہنم، لوح محفوظ، عرش یہ جتنی بھی چیزیں ہیں یہ ''کن'' سے پیدا ہوئی ہیں اس کو عالم امر کہتے ہیں، تو ایک ہوا عالم خلق اور ایک ہوا عالم امر۔

انسان کا جسم کونسے عالم کا ہے؟

انسان کا جسم عالم خلق میں سے ہے ماں کے پیٹ میں پیدا ہوتا ہے نو مہینے لگتے ہیں، پھر بچہ ہوتا ہے تو اٹھتا ہے چلتے ہوئے کئی مہینے لگتے ہیں پھر اٹھارہ بیس سال میں جوان ہوتا ہے، پھر بتیس سال میں بھرپور جوانی، پھر بڑھاپا تو اس کی زندگی تدریجاً گذرتی ہے یہ انسان کا جسم ہے۔

لیکن اس کے اندر جو روح ہے وہ عالم امر کی چیز ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ اے میرے پیارے حبیب ﷺ آپ سے یہ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِرَبِّیْ﴾ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے ﴿فَمَآاُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسم اور روح مل کر انسان بنتے ہیں تو انسان دونوں عالم کا مجموعہ ہے، جسم عالم خلق کا اور روح عالم امر کی دونوں مل کر انسان بنا۔

جسم کی حیثیت

مگر جسم کی حیثیت سواری کی مانند ہے روح کی حیثیت سوار کی مانند ہے جسم کی حیثیت مکان کی مانند ہے روح کی حیثیت مکین کی مانند ہے، جسم نقلی انسان ہے روح اصلی انسان ہے، اسلئے جب روح نکل جاتی ہے تو لوگ اس کو انسان کہنے کی بجائے پھر میت کہنا شروع کر دیتے ہیں، نام نہیں لیتے مثلاً اسلم صاحب کو نہلا دو، اسلم صاحب تو چلے گئے اب پیچھے صرف مکان (جسم) رہ گیا اب کہتے ہیں جی میت کو اٹھاؤ میت کو پہنچاؤ اصلی انسان (روح) چلا جاتا ہے۔

اب یہ جو انسان ہے اس کو اس دنیا میں زندگی گذارنی ہے تو اس کی زندگی گذارنے میں اس کو بہت ساری چیزیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں دنیا کی چکا چوند دنیا کی لذتیں وہ انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں، کہتی ہیں کھاؤ پیؤ مزے اڑاؤ دعوت دیتی ہیں تو انسان اس میں لگ کر کئی مرتبہ اپنے مقصد اصلی کو بھول جاتا ہے

انسان کا وطن اصلی

انسان یہاں کا رہنے والا نہیں ہے انسان جنت کا رہنے والا ہے وہاں سے یہاں آیا آدم علیہ السلام کو جنت سے بھیجا گیا اسلئے جب واپس مؤمن جنت میں جائے گا تو اللہ نے یہ نہیں کہا کہ اس کو جنت کا مالک بنا دیں گے فرمایا ﴿اُوْرِثْتُمُوْهَا﴾ وارث بنا دیں گے، وراثت تو باپ دادا کی ہوتی ہے، لہذا یوں کہہ سکتے ہیں کہ جنت ہمارے باپ کی جائیداد ہے (آدم علیہ السلام کی) تو ہم اگر اپنے والد کے صحیح بیٹے بن کر رہیں تو ہمیں وراثت میں سے حصہ ملنا ہی ملنا ہے، وہ تو پہلے سے اللہ نے ہمارے نام کی ہوئی ہے، لہذا ہمارا وطن اصلی جنت ہے اور دنیا ہمارے لئے وطن اقامت کی مانند ہے، بس یہاں کچھ وقت گذاریں گے ہر ایک کی مہلت متعین ہے اور اس کے بعد سب اپنے وطن اصلی کی طرف جائیں گے اور واقعی پردیس میں انسان جائے تو وطن کی طرف دل لگا رہتا ہے، وطن یاد آتا ہے نبی علیہ السلام نے بھی یہی کہا کہ (اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِالْغُرُوْرِوَالْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِالْخُلُوْدِ وَاسْتِعْدَادُ الْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ) مؤمن کا بھی یہاں یہی حال ہوتا ہے اس لئے مؤمن پھر یہاں سے اپنے اصلی گھر کی طرف جاتا ہے۔

تباہی کی دو چیزیں

اب یہ انسان جو دنیا میں آ کر پھنستا ہے اس کو دو چیزیں پھنسانے والی ہیں

......ایک ''نفس'' ہے جس کا کام لذتیں لینا ہے، وہ کہتا ہے مجھے انجوئے کرنا ہے مجھے صرف مزے اڑانا ہے

......اور ایک ہے ''شیطان'' جو اس کا بیرونی دوست ہوتا ہے وہ اس نفس کے ذریعہ سے انسان کو دنیا میں لگا دیتا ہے، جہاں تک شیطان کے اپنے ہتھکنڈے ہیں وہ کمزور ہیں اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿اِنَّ كَيْدَالشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفاً﴾ اور جو نفس کے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالی ایک جگہ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ كَيْدَ

کُنَّ عَظِیْمٌ﴾ کہ تمہارے مکر بہت بڑے ہیں تو جہاں نفس انسانی کا معاملہ تو عظیم کا
لفظ استعمال کیا جہاں شیطان کا معاملہ تو ضعیف کا لفظ استعمال کیا، اس کا مطلب یہ
کہ گروگھنٹال نفس ہے اصل یہ ہے، مگر شیطان اس کو تلی لگا دیتا ہے یوں سمجھیں کہ
ماچس کی تلی کے اندر آگ بھری ہوتی ہے رگڑ لگنے کی دیر ہوتی ہے نفس کے اندر خباثت
بھری ہوتی ہے شیطان بس رگڑ لگا دیتا ہے آگے پھر بندہ خود ہی گناہ کے اوپر آمادہ
ہو جاتا ہے۔

تو شیطان انسان کے نفس کے ذریعہ سے انسان کو اللہ سے دور کرتا ہے دنیا میں
لگاتا ہے سیدھے راستے سے ہٹاتا ہے اور اللہ تعالی کا نافرمان بناتا ہے۔

مؤمن کا ارادہ

اب مؤمن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ میں اللہ کا فرمانبردار بنوں تو فرمانبردار بننے کا
کیا طریقہ ہو؟ تو فرمانبردار بننے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی اصلاح کرے
نفس کا حال دودھ پیتے بچے کی مانند ہے بچے کو دودھ چھڑاؤ تو روتا ہے لیکن سختی کرو
تو پھر تھوڑے دنوں میں دودھ چھوڑ کر روٹی کھانے لگ جاتا ہے اور اگر روتا ہے دودھ
پلاؤ تو وہ دو سال میں تو کیا چھوڑے گا وہ پھر چھ سال میں بھی جا کر نہیں چھوڑے گا
لہذا ہم نے ایسے بچوں کو دیکھا ہے جو چھ چھ سال کی عمر میں فیڈر پیتے ہیں سبحان اللہ،
ان کے ماں باپ پیار کی وجہ سے ان کو چھڑواتے نہیں،

تو نفس کا بھی یہی حال ہے کہ بس کہتا ہے جو میں لذت لے رہا ہوں مجھے آپ
لینے دیں ڈسٹرب نہ کریں، تو اس کے گلے میں شریعت کا ہم نے پھندا ڈالنا ہے،
لگام ڈالنی ہے تاکہ اس کو ہم شریعت کے راستے پر لے کر چلیں یہی ہمارا کام ہے،
دنیا میں شیطان زور لگاتا ہے کہ نفس کی بات مان کر چلو بس دنیا میں مزے کرو اللہ
تعالی فرماتے ہیں کہ شیطان کی بات نہ مانو رحمٰن کی بات مانو ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ
يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ یہ ہے سیدھا راستہ، تو سیدھے راستے پہ چلنے کے لئے ہمیں

اللہ کے راستے پہ چلنا ہے نفس کو ہمیں قابو کرنا ہے۔

نفس کو کیسے قابو کریں؟

نفس کو کیسے قابو کریں؟ اس کے لئے اللہ رب العزت نے اپنے نبی علیہ السلام
کی وساطت سے امت کے اوپر علوم کے بہت بڑے بڑے بڑے باب کھولے جو کچھ
امت کو ملا نبی علیہ السلام کے صدقہ سے ملا نبی علیہ السلام نے فرمایا (اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ
وَاللّٰهُ يُعْطِىْ) میں تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو اللہ ہے، تو اللہ نے آپ کو علم
دیا کتنا دیا ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ اتنا دیا اتنا دیا کہ بس اللہ ہی جانتا ہے
کہ کتنا دیا۔

باطنی علم کس نے کھولا؟

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں پر انبیاء کے ذریعہ سے کھولا اور بات اس طرح
چلی کہ جسم کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں آج کل کافی ڈاکٹر ہیں اسپیشلسٹ ہیں
آنکھ کے اور ناک کے کان کے ہر ہر عضو کے ماہر دنیا میں موجود ہیں، روح کے
ماہر کہاں گئے وہ بھی تو ہونے چاہئیں؟ تو انبیاء کرام روح کے اسپیشلسٹ بن
کر آتے ہیں وہ بندوں کے اندر اللہ کی محبت بھرنے کے لئے ان کو اللہ کا راستہ
بتانے کے لئے آتے ہیں،

اس کو چھوٹی سی مثال سے میں عرض کروں کہ سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے
کے طریقے اور پانی سے فائدے لینے طریقے اور، ہوا سے فائدے لینے کے طریقے
اور، مٹی سے فائدے لینے کے طریقے اور، آگ سے فائدے لینے کے طریقے اور،
ہر چیز سے فائدے لینے کے طریقے الگ الگ ہیں۔

اب ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات سے
فائدے لینے کے طریقے کیا ہیں؟ یہ بات سمجھانے کے لئے انبیاء تشریف لائے
انہوں نے آ کے سمجھایا کہ لوگو! جس طرح زندگی میں گذار رہا ہوں اگر تم بھی اس
طرح زندگی گذارو گے تو تم اللہ تعالی کی ذات سے سب سے زیادہ فائدے پانے

والے بن جاؤ گے، یہ بات انبیاء نے کھولی، یہ جو فرمایا نا کہ میری اتباع کرو تم اللہ
کے محبوب بن جاؤ گے مقصود اس کا یہی ہے کہ میری اتباع کرو تم اللہ سے بہت زیادہ
فائدے پانے والے بن جاؤ گے، تو اب ہم کیسے فائدہ پانے والے بنیں؟ اسکے
لئے نبی علیہ السلام نے اصلاح کے طریقے بتائے۔

باطنی علم سے کیسے فائدہ اٹھائیں؟

پہلی بات تو یہ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ [اِنَّ فِیْ جَسَدِبَنِیْ آدَمَ لَمُضْغَةً]
انسان کے جسم میں گوشت کا لوتھڑا ہے [اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ
وَ اِذَافَسَدَتْ فَسَدَالْجَسَدُ کُلُّهٗ] جب وہ سنورتا ہے تو پورے جسم کے اعمال
سنورتے ہیں اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورے جسم کے اعمال خراب ہوتے ہیں
[اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ] جان لو کہ وہ انسان کا دل ہے، اب دل کو کیسے سنوارا جائے؟
یہ مستقل ایک کام ہے تو اس کے لئے انبیائے کرام پر اللہ تعالی نے علوم کو کھولا ہمیں
تو بتادیا کہ ﴿ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ کہ تمہیں تو تھوڑا علم دیا لیکن
انبیاء کرام پر تو اللہ نے علوم کو کھولا جیسے حروف مقطعات کا ہمیں علم نہیں لیکن انبیاء
کرام پر اللہ نے حروف مقطعات کے علم کو کھول دیا، ہمیں اسماء الٰہی کی حقیقتوں کا پتہ
نہیں ہے لیکن اللہ نے اپنے انبیاؤں پر اُن کی حقیقتوں کو کھولا، تو اسی طرح روح کی
حقیقت کو بھی اللہ نے انبیاء پر کھولا اور انہوں نے بتلایا کہ کونسی چیز اس کے لئے
فائدہ مند کونسی چیز اس کے لئے نقصان دہ ہے۔

نکتہ کی ایک بات

نکتہ کی ایک بات سمجھائی کہ دیکھو جہاں سے نفس کی لذت کی ابتداء ہوتی ہے
وہاں اللہ کی محبت کی ابتداء ختم ہوتی ہے، یعنی نفس جہاں لذت لینا شروع کرتا ہے
وہ سمجھ لے کہ اللہ کی محبت کی لذت کی حدیں یہاں ختم ہو گئیں، تو انبیاء نے یہ بات
آ کر سمجھائی۔

موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اللہ آپ تک آنا چاہتا ہوں کیسے آؤں فرمایا ''دَعْ

نَفْسَکَ وَتَعَالَ '' اپنے نفس کو چھوڑ دے میرے تک آجا نفس کو چھوڑنے سے کیا
مراد؟ کہ نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے اس کو شریعت کی لگام ڈال دے میرے
تک آجا، بایزید بسطامیؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالی تک کا راستہ دو قدم ہے، کسی نے
پوچھا حضرت دو قدم سے کیا مراد؟ تو فرمایا، تو پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ لے تیرا
دوسرا قدم اللہ تعالی تک پہنچ جائے گا، تو بات تو ہے سیدھی سیدھی کہ ہمیں نفس کو سیدھا
کرنا ہے اللہ تعالی کا تعلق حاصل کرنا ہے مگر اس کے لئے اللہ تعالی نے امت کے جو
مشائخ تھے جو اس فیلڈ کے لوگ تھے اللہ تعالی نے کشف کے ذریعہ ان پر بھی حقیقتوں
کو کھولا ہمارے بزرگوں نے اس کو با قاعدہ کتابوں میں لکھا۔

روح کی حقیقت

تو روح کی حقیقت جو کھلی تو پتہ یہ چلا کہ روح کا تعلق انسان کے جسم میں بعض
جگہوں سے خاص ہے باقی ساری جگہوں پر عام ہے اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ یہ
لائٹ جل رہی ہے تو لائٹ کا تعلق اس پورے کمرے کے ساتھ عام ہے لیکن جہاں
بلب ہے وہاں پر اس کا تعلق خاص ہے، جب بندہ کبھی دور سے دیکھتا ہے نا تو بلب
کئی دفعہ نظر ہی نہیں آتا پورا کمرہ ہی بلب نظر آتا ہے، آپ ذرا دور سے دیکھیں کسی
کمرے کو تو لائٹیں الگ الگ نظر نہیں آتیں بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے روشنی کا پورا ایک
فٹ بال بنا ہوا ہے تو روشنی کا تعلق کمرے کے ساتھ عام اور جہاں بلب ہے وہاں
پر خاص تو انبیاء نے بھی یہی بتایا ان کے نائبین جو تھے مشائخ انہوں نے یہی بات
کھولی کہ دیکھو روح کا تعلق پورے جسم کے ساتھ عام اور بعض جگہوں کے ساتھ
خاص یہ کیسے؟ فزیکلی بھی ایسے ہی ہوتا ہے آپ دیکھیں ڈاکٹر لوگ انسان کی
جسمانی حالت کا پتہ کرنا چاہتے ہوں تو اسکا ای سی جی کرتے ہیں تو ای سی جی
کرنے والے کیا کرتے ہیں، بندے کو لٹا دیتے ہیں ایک پک اپ یہاں لگا دیتے
ہیں دو چار اِدھر اُدھر لگا دیتے ہیں وہ مختلف ہوتی ہیں آپ ان سے پوچھیں کہ بھئی
یہاں کیوں لگا رہے ہیں وہ کہیں گے کہ انسان کے جسم کا جو نظام کام کر رہا ہے اس
کے جو سگنل جا رہے ہیں ان سگنل کا پورے جسم کے ساتھ عام تعلق ہے اور چند

جگہوں کے ساتھ خاص تعلق ہے، ہم وہ خاص جگہ سے پوئنٹ پک اپ کر کے پورے جسم کی حالت بتا سکتے ہیں کہ نظام جسم کیسا چل رہا ہے؟

مشائخ نے بھی کہا کہ بالکل اسی طرح انسان کی جو رح کا تعلق ہے جسم کی چند جگہوں کے ساتھ خاص ہے اور پورے جسم کے ساتھ عام ہے۔

لطائف کی جگہیں

انسان کے سینے کے اندر پانچ جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں روح کا تعلق خاص ہے تو ان جگہوں کی نشاندہی بھی ہونی چاہئے، انہوں نے جگہوں کی نشاندہی بھی کردی اور جگہوں کے نام بھی رکھ دیئے لہذا اور آسانی ہوگئی انہوں نے کہا کہ پہلا جو ہے جس جگہ خاص تعلق ہے روح کا اس کا نام ہے ''لطیفۂ قلب''

(۱)......''لطیفۂ قلب'' وہ انسان کی بائیں جانب جو پستان ہے اس کے دو انگل نیچے مائل بہ پہلو ہے۔

(۲)......اور دوسرے لطیفے کی جو جگہ ہے وہ ہے بائیں پستان کے دو انگل نیچے مائل بہ پہلو اور اس کا نام انہوں نے روح ہی رکھ دیا یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم سارے کے سارے کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں لیکن تاشقند میں مجھے ایک بندہ ملا اسکا نام ماں باپ نے مسلمان رکھا ہوا تھا تو سارے ہی مسلمان ہوتے ہیں لیکن اس کا نام ماں باپ نے مسلمان رکھ دیا تو اسی طرح روح تو ساری ہی روح ہے لیکن اس جگہ کا نام خاص طور پر ''لطیفۂ روح'' رکھ دیا۔

(۳)......تیسرا، انسان کے بائیں پستان کے اوپر مائل بسینہ اس کا نام انہوں نے ''لطیفۂ سِر'' رکھا۔

(۴)......چوتھا لطیفہ انسان کا جو دایاں پستان ہے اس کے اوپر مائل بسینہ اس کا نام انہوں نے ''لطیفہ خفی'' رکھا۔

(۵)......اور پانچواں لطیفہ سینہ کے وسط میں ہے اس کا نام انہوں نے ''لطیفہ اخفی'' رکھا۔

اب یہ جو الفاظ کا چناؤ ہے یہ ہے ہمارے بزرگوں کا ہے، جن کو کشف کے ذریعہ

یہ بات بتائی گئی لیکن جو الفاظ انہوں نے چنیں وہ قرآن اور حدیث سے ہی چنے یعنی قرآن اور حدیث سے باہر نہیں گئے، قلب کا لفظ قرآن میں، روح کا لفظ قرآن میں، یعلم السر واخفی، خفی کا لفظ قرآن میں تو پانچوں لطائف کے لفظ تو قرآن سے لئے لہذا قرآنی الفاظ لے کر انہوں نے لطائف کے نام رکھ دیئے یہ قلب ہے یہ روح ہے یہ سر یہ ہے خفی ہے یہ اخفی ہے۔

تو پانچ لطائف انسان کے سینے میں ہیں اور انہوں نے کہا کہ اگر ان جگہوں پر انسان محنت کرے تو انمیں سے ہر ہر جگہ پر اس کو ذکر کا ادراک ہوسکتا ہے، یہ پانچوں جگہیں جو ہیں ان کو انہوں نے لطائف کہا لطیفہ جو ہے یہ باریک چیز کو کہتے ہیں ہنسنے والی بات کو بھی لطیفہ کہتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بھی لطیفہ اس لئے کہلاتی ہے اس میں ایک باریک سا نکتہ ہوتا ہے جو بندے کو ہنسا کے رکھ دیتا ہے، ویسے جس میں باریکی ہو اس کو لطیفہ کہتے ہیں، تو یہ ہمارے پانچ لطائف ہیں۔

اب یہ لطائف جو ہیں ان کو اگر انسان چاہے تو محنت کر کے جگا سکتا ہے اس جگہ پر وہ ذکر کی کیفیت کو محسوس کر سکتا ہے، اسکے لئے محنت کرنی پڑتی ہے، اور وہاں سے ذکر محسوس ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

لطائف کی مثال

اب اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کسی کے پاس ریڈیو ہے تو ریڈیو کی نوب یوں چلاؤ تو وہ نوب چلتے چلتے سوئی جہاں جہاں پہنچتی ہے وہاں مختلف اسٹیشن پر خبریں اور پروگرام چل رہے ہوتے ہیں مثلا وائس آف امریکہ کی آواز آتی ہے آگے پیچھے کردیتے ہیں تو بی بی سی کی آواز آنے لگتی ہے جو لوگ سننے کے ماہر ہوتے ہیں وہ ریڈیو ہاتھ میں لیتے ہیں اسے گھماتے ہیں اسی وقت بی بی سی بولنا شروع کردیتا ہے ہم سارے دن لگے رہیں تو بھی ہمیں پتہ نہ چلے مگر انکو مشق ہوتی ہے، کہیں وائس آف امریکہ، کہیں بی بی سی، کہیں مکہ مکرمہ، کہیں لاہور، کہیں دہلی، سوئی تھوڑی تھوڑی جگہوں پر ذرا سی پہنچتی ہے آواز آنی شروع ہوجاتی ہے، حالانکہ ایک ہی مشین ہے ایک ہی اینٹینا ہے لیکن آواز آگے آتی ہے نہ پیچھے آتی ہے خاص جگہ پر

آتی ہے، تو ہمارے بزرگوں نے بھی کہا کہ بالکل اسی طرح آپ کے سینے کے اندر بھی ایک میڈیم ویو ہے گویا ریڈیو سسٹم اگر بائیں طرف توجہ کی سوئی ٹکاؤ گے تو یہاں سے تمہیں اللہ اللہ کی آواز آئے گی پھر دوسری طرف ٹکاؤ گے تو یہاں سے بھی اللہ اللہ پھر لطیفۂ سر سے پھر خفی سے پھر اخفی سے تمہیں اللہ نے ایک سینہ میں پانچ جگہیں ایسی دیدی ہیں محنت کرو تو جیسے پانچ اسپیکر چل پڑتے ہیں آپ یوں سمجھیں کہ انسان کے سینے میں پانچ اسپیکر چل رہے ہیں، وہاں سے اس کو اللہ اللہ کا ادراک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ایک سوال

اچھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ادراک کیا ہوتا ہے؟ ادراک ایسے ہے کہ آپ دیکھیں کئی مرتبہ گھر بیٹھے ہوئے ہیں تو آپ کہتے ہیں گھنٹی ہوئی تو بیوی کہتی ہے نہیں، گھنٹی تو نہیں ہوئی آپ کہتے ہیں گھنٹی ہوئی بیوی کہتی ہے نہیں ہوئی آپ محسوس کرتے ہیں کہ میں باہر جا کر دیکھوں، باہر جاتے ہیں تو کوئی بندہ کھڑا ہوتا ہے تو آپ کہتے ہیں دیکھو میں نے محسوس کر لی تم نے نہیں کی، اسی طرح اللہ رب العزت نے انسان کے جو باطن کا ذکر ہے اس کی فریکوینسی کو انسان کے اپنے ساتھ میچ کر دیا ہے، بندے کا ریسورا سے پک کر لیتا ہے اور دوسروں کا ریسورا سے پک نہیں کر سکتا، اب دیکھیں، مثال دیتا ہوں میری جیب میں سیل فون ہے جب اس پر کول آئے گی تب گھنٹی بجے گی حالانکہ دس فون ہوں گے یہاں کسی کی گھنٹی نہیں بجے گی تو کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ ہماری کیوں نہیں بجی؟ تو کہیں گے بھئی اس کے ساتھ اسکی میچنگ ہے جس کے ساتھ میچنگ ہے جس کا سگنل آیا اسی کی آواز آئے گی، آج کے زمانے میں کچھ بات سمجھنی نسبتا آسان ہوگئی ہے، اسی طرح جو بندہ محنت کرتا ہے اور اس جگہ سے سننے کے لئے بیٹھتا ہے مجاہدہ کرتا ہے اس کو مراقبہ کہتے ہیں تو کچھ عرصہ کے بعد اللہ رب العزت اس کی فریکونسی کو اس کے ساتھ میچنگ کر دیتے ہیں اور اس کو اپنے دل سے اللہ اللہ کی ذکر کی کیفیت محسوس ہونی شروع ہو جاتی ہے اسلئے اس کو ذکر خفی کہا گیا کہ یہ بندہ خود ہی سن سکتا ہے اس کا تذکرہ

قرآن مجید میں بھی ہے مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ (ای فِيْ قَلْبِكَ) ذکر کر اپنے رب کا اپنے نفس میں، اپنے من میں، اپنے دل میں، اسی کا نام ذکر قلبی ہے۔

ذکر قلبی کا ثبوت

سنیں قرآن عظیم الشان اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ اب یہاں لسانه عن ذکرنا نہیں آیا، لوگ ذکر کی دلیلیں پوچھتے ہیں قرآن کی آیت بتا رہی ہے ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ تو قلب ذکر کرتا ہے اگر نا کرتا ہوتا تو پھر لسان کا نام لے دیتے، اور فرمایا ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ فِيْ لِسَانِكَ بھی فرما سکتے تھے، حدیث میں واضح طور پر فرمایا گیا کہ جس ذکر کو فرشتے سنتے ہیں اس سے وہ ذکر جس کو نہیں سنتے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے فضائل ذکر میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی یہی حدیث پاک بیان فرمائی ہے، اللہ نے یہ ایسی فریکوینسی میچنگ کر دی نہ کوئی دوسرا بندہ سن سکتا ہے نہ کوئی فرشتہ سن سکتا ہے، اسی لئے اس کو خفی کہا گیا، اللہ نے اس کو خفی رکھا اور کیا فرمایا؟ فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ایک راز ہے شاعر نے کہا

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراما کاتبیں را ہم خبر نیست

کہ عاشق اور معشوق کی ایسی میچنگ ہوتی ہے دماغوں کو اشارہ پاس کر جاتے ہیں کہ فرشتوں کو پتہ نہیں لگنے دیتے، لوگوں کو تو کیا پتہ ہوتا، فرشتوں کو پتہ نہیں لگنے دیتے اور واقعی یہ ذکر قلبی ایسا ہی ہے کہ بندہ اپنے دل میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور فرشتوں کو پتہ نہیں چلتا، حدیث پاک میں آیا کہ فرشتوں کو اس بندے سے خوشبو محسوس ہوتی ہے اور وہ لکھ دیتے ہیں کہ جی خوشبو آ رہی ہے قیامت کے دن اللہ تعالی پوچھیں گے کیا لکھا تم نے کہ جی خوشبو آتی تھی فرمائیں گے کہ ہاں تمہیں کیا پتہ میرا

بندہ اپنے دل مجھے یاد کررہا ہوتا تھا تمہیں اس کے دل سے خوشبو آرہی ہوتی تھی تو
یہ ہے ذکر قلبی، شریعت میں با قاعدہ ثبوت ملتا ہے۔

اللہ نے مشائخ پر کیا کھولا؟

جیسا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں پر مختلف چیزیں کھولتے ہیں اسی طرح اللہ نے
ذکر کے ان احوال کو مشائخ کے اوپر کھولا تو یہ مستقل ہمارے بزرگوں نے ایک علم
بنا دیا، یوں سمجھ لیں جیسے فقہ کی تدوین ہوئی حدیث پاک کی تدوین ہوئی مدون
کر دیا گیا اس کے اصول وضوابط بنا دیئے آج حدیث پاک کو پرکھنا ہو، تولنا ہو کہ
راوی کیسا فلاں کیسا ؟ تو ماشاء اللہ اسماء الرجال کی کتابیں موجود ہیں اور اس میں
جرح وتعدیل کے قوانین موجود ہیں، کسی حدیث پاک کو پرکھنے کے لئے راوی
کو کیسے کیسے پرکھا جاتا ہے انہوں نے اس کو ایک علم بنا دیا، اسی طرح نبی علیہ السلام
کے زمانے میں یہ ایک عام چیز تھی کہ [اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ] مقام معیت
ہو بندے کو یا حضوری ہو یا اللہ تعالی کے ساتھ بندے کو خشیت ہو یہ موٹے موٹے
لفظ تھے جو اس وقت شریعت میں استعمال ہوتے تھے مگر یہ نعمت انسان کو مل جاتی
تھی اسکی مثال ایسے سمجھ لیں کہ پہلے زمانے میں جب ہم چھوٹے تھے تو انجینیر جب
نام لیتے تھے تو جو بندہ آتا تھا وہ بجلی کا بھی ہوتا تھا وہ سول کا بھی ہوتا تھا وہ لکڑی کا
بھی ہوتا تھا لوہے کا بھی ایک ہی ہوتا تھا سارے کام وہی کر جاتا تھا لیکن جیسے جیسے
کام بڑھتا گیا آج بجلی کا انجینیر اور ہے لوہے کا اور ہے سول کا اور ہے، انجینیر بڑھتے
چلے گئے پہلے زمانے میں ایک حکیم ہوتا تھا آنکھ بھی چیک اسی نے کرنی ہے دانت
بھی اسی نے کرنے ہیں پیٹ بھی اسی نے کرنا ہے آج ماشاء اللہ آنکھ کا الگ ہے
دانت کا الگ ہے تو الگ الگ ہو گئے۔

باطنی نعمت صحابہ کو کیسے ملی؟

اسی طرح نبی علیہ السلام کے زمانے میں باطن کی نعمت ایک جنرل نعمت تھی، ایک

نور تھا جو نبی علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے صحابہ کو مل گیا تھا، ان کو ضرورت نہیں
پڑتی تھی چلّوں کی، مجاہدوں کی، اگر اس وقت یہ کرنا ضروری ہوتا تو آج یہ فرض
کہلاتے، ان کو نفل کون کہتا؟ فرض ہوتا، جیسے نبی علیہ السلام نے کیا کرو بیٹھ کر،
لیکن یہ نعمت تھی جس کو بتا دیا گیا تھا کہ بندے کے دل میں اللہ کی حضوری ہونی
چاہئے کیفیت ایسی ہونی چاہئے اس نعمت کی کیفیت کی جو تفصیل تھی وہ اللہ تعالی
نے امت کے مشائخ کے کندھوں پر ڈال دی اب تم اس کی تفصیل کھولو اور بتاؤ۔

کس کی کیا ذمہ داری؟

آسان سی بات ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں علم کی بڑی اہمیت بیان کی
اب حاصل کیسے کرنا ہے اس کی تفصیلات کیا ہیں، اب اس میں صحاح ستہ بھی ہے
اور اسمیں جو ہے درس نظامی بھی ہے تو یہ تفصیل تو اب بنی ہے آخر علماء متفق ہو گئے
بھئی اس طریقے سے اگر چلو تو علم حاصل ہو جاتا ہے تو امت کے اجماع کی وجہ
سے اسکی ایک حیثیت ہو گئی۔

اسی طرح اللہ تعالی نے یہ جو دفاع کرنا ہوتا ہے اس کے بارے میں فرمایا
﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ کہ جتنا تم کر سکتے ہو اپنے اندر قوت پیدا
کرو، یا اللہ روحانی قوت پیدا کریں؟ فرمایا ﴿وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ گھوڑے پالو،
مطلب یہ کہ تم ظاہری تیاری کرو، اچھا اتنا تو بتا دیا لیکن آگے بندوں پر چھوڑ دیا ان
کو کہا کہ دیکھو مقصود بتا دیتے ہیں تمہیں ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾
جو اللہ کا دشمن وہ تمہارا دشمن وہ ڈرے اتنی تیاری کرو آج کے دور میں کون گھوڑوں
سے ڈرتا ہے آپ دو کروڑ گھوڑے پال لیں تو دنیا ڈر جائے گی؟ کوئی نہیں ڈرے
گا، آج کے دور میں ڈرانے کی چیزیں کچھ اور ہیں، تو اللہ تعالی نے جو آج کے دور
میں حکام ہیں جرنیل ہیں، جو بڑے ہیں ان کے سروں پر یہ ذمہ داری ڈال دی کہ
تم ایسی چیز تیار کرو کہ جس سے تمہارا دشمن ڈرے، تو پہلے زمانے میں فرض کرو کہ
نیزے سے ڈرتے تھے تو آج ایک اور چیز ہے جو نیزے کی طرح جاتی ہے اس

سے ڈرتے ہیں تو آج اس کا مصداق وہ تیاری ہوگی ،تو جس طرح اللہ تعالی نے
علم کو علماء کندھوں پر ڈال دیا اسی طرح یہ دفاع جو ہے یہ حکام کے کندھوں پر ڈال
دیا اور ٹھیک اسی طرح اللہ نے انسان کا جو تزکیہ نفس کا مسئلہ تھا یہ مشائخ کے کندھوں
پر ڈال دیا۔

لطائف کی نشاندہی

مشائخ نے کہا کہ دیکھو بھئی کشف میں ہمیں یوں محسوس ہوا کہ روح کا تعلق جسم
کے ساتھ عام ہے، چند جگہوں کے ساتھ خاص ہے، جن جگہوں کے ساتھ خاص
ہے انکو لطائف کہتے ہیں ،ان جگہوں کی ہم نشاندہی کر دیتے ہیں اور ہم بتا دیتے
ہیں کہ ان جگہوں پہ تم نے کیسے ذکر کرنا ہے۔

لطیفہء قلب پر ذکر کا طریقہ

چنانچہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ بھئی لطیفہء قلب جو ہے اس پر ذکر کرنے کا
طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی توجہ کو ساری دنیا سے ہٹالو اور اللہ کی طرف کر لو اور یہ سوچو
کہ اللہ رب العزت کی رحمت آرہی ہے، میرے دل میں سما رہی ہے دل کی ظلمت
سیاہی سب ختم ہو رہی ہے اور میرا دل پکار رہا ہے اللہ اللہ اللہ، یعنی دل بول رہا ہے
میں سن رہا ہوں، جیسے آپ بیٹھ کر ٹیپ پر قرأت ہو رہی ہو بڑے پرسکون ہو کر سنتے
ہیں، اسی طرح بیٹھ کر اپنے قلب کی اللہ اللہ کو سننا ہے، یہاں ایک تھوڑا سا مغالطہ ہے
وہ یہ کہ کئی دفعہ سالک اللہ اللہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالاں کہ کرنا نہیں ہے،
بلکہ سننا ہے، اسمیں سانس بھی بند نہیں کرنا، آپ نے کبھی ٹیپ سنتے ہوئے سانس بند کی
ہے؟ نہیں، ٹیپ سنتے ہیں تو بڑے پرسکون ہو کر بیٹھ کر کان لگا کر سن رہے ہوتے
ہیں، اسی طرح مراقبہ میں سالک نے سارے خیالات کو دل سے نکال کر اپنے دل
کی طرف کان لگا دینے ہیں، کہ میرا دل بول رہا ہے اور میں سن رہا ہوں اب
﴿اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ﴾ میں بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جیسا

میرے ساتھ گمان رکھتا ہے، اب جو گمان لے کر بیٹھا ہے میرا دل اللہ اللہ کر رہا ہے
تو پھر اللہ اس کے گمان کو پورا کریں گے یا نہیں کریں گے؟ قرآن پاک میں اللہ
رب العزت نے فرمایا کائنات کی ہر چیز اللہ کا ذکر کر رہی ہے ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ
اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ﴾ کائنات کی ہر چیز اللہ
کا کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم انکی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو، ہمارا جسم بھی اللہ کا ذکر رہا
ہے، مگر ہم نہیں سن سکتے جن کو اللہ توفیق دیدیتا ہے تو پھر ان کو قلب کا ذکر سنائی دیتا
ہے، وان من شیء میں قلب بھی داخل ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ہے اللہ کا
ذکر رہی ہے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے لہٰذا ہمارا دل بھی تسبیح کر رہا ہے اور اگر دل کی
تسبیح کو ہم سننے کے لئے توجہ کر کے بیٹھیں تو اللہ جس کو چاہے اس کو سنوا دیتے ہیں
اس میں پھر کونسی مشکل ہے کہ ذکر قلبی کیا ہوتا ہے؟ ہم غافل ہیں ہمارے رشیپشن
خراب ہیں ہمیں سنائی نہیں دے رہا، جب ہم اپنی شکل کو شیشہ میں دیکھتے ہیں تو اس
میں دکھانے کی صفت تو موجود ہے لیکن اگر مٹی کی تہہ چڑھی ہوئی ہو تو کہاں سے
دکھے گا؟ کہنے والا کہے گا جی تہہ ہٹاؤ اور اپنا چہرہ دیکھو اسی طرح دل کے اوپر جو
گناہوں کی تہہ آجاتی ہے اس کو اتارنا ہوتا ہے ورنہ اس کے اندر تو چہرہ دکھانے کی
صلاحیت موجود ہے اسی کا نام مراقبہ ہے کہ مراقبہ میں انسان اللہ کی طرف لو لگا کر
بیٹھتا ہے ساری دنیا کے خیال ذہن سے نکال دیتا ہے اور بس اللہ کی طرف لو لگا کر
سوچتا ہے کہ میرا دل اللہ اللہ بول رہا ہے میں سن رہا ہوں، شروع میں نہیں سنائی
دیتا بلکہ ہم نے تو دیکھا کہ جو بندہ شروع میں مراقبہ کرنے بیٹھتا ہے اس کو عجیب
وغریب خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں وہ عجیب وغریب خیال ذہن میں کون لاتا
ہے؟ شیطان لاتا ہے، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ ذکر کرنے بیٹھ گیا اگر اس کو سننا
شروع ہو گیا تو میری چھٹی ہو جائے گی، اس لئے کچھ کرو لہٰذا جیسے انسان توجہ کرتا
ہے بس اس کے ذہن میں ایک ریل چلنی شروع ہو جاتی ہے، کبھی پرانے خیال
آنے شروع ہوتے ہیں کبھی اُس کا خیال کبھی اِس کا خیال، پھر انسان پریشان

ہوتا ہے، کہتا ہے جی مراقبہ میں گندے خیال آتے ہیں حالانکہ خارج مراقبہ نہیں
آتے، وہ تو شیطان کا حملہ ہے اس وقت وہ وار کر رہا ہوتا ہے۔

ایک مثال

اب اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ جیسے ایک کمرے کے اندر بلی نے پاخانہ کردیا
اب آپ جیسے ہی دروازہ کھولتے ہیں آپ کو اسی وقت بدبو آنی شروع ہوجاتی ہے
آپ پھر دروازہ بند کردیتے ہیں کہتے ہیں جی کیا کریں دروازہ کھولتے ہیں بو آتی
ہے، بھئی بلی نے پاخانہ کیا ہوا ہے بو تو آئے گی اب اگر آپ اس کو صاف کرنا چاہتے
ہیں تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بو کو برداشت کرو اور اس گند کو وہاں سے نکالو اور
وہاں پر روم فریشنر سے اسپرے کرو پھر اس کے بعد بو کا نام ونشان مٹ جائے گا،
اسی طرح ہمارے دل کے کمرے میں شیطان بلی نے پاخانہ کیا ہوا ہے
گناہوں کی نجاست کا، جب تھوڑا توجہ کر کے بیٹھتے ہیں دل کا دروازہ کھولنے کی
کوشش کرتے ہیں تو جو پہلے سے پڑا ہوا ہے اس نجاست کی بو آتی ہے ظاہر ہے ہم
نے جو کیا ہے وہی نظر آئے گا، جو ہم نے اب تک زندگی گذاری وہی فلم چلے گی،
دیکھو دیہاتی بندے کو کھیتی سے متعلق خیال آئیں گے اور کارخانے والے کو مشینری
کے خیال آئیں گے، تو جیسے زندگی کا بیک گراؤنڈ ہوگا ویسا ہی بندہ دیکھتا ہے، تو
جیسی زندگی گذری ہوئی ہوتی ہے ویسے خیال آنے شروع ہوجاتے ہیں تو اس
کو برداشت کریں بس آپ یہ کہیں کہ میرا کام ہے بیٹھنا بس مجھے بیٹھنا ہے۔

مراقبہ کتنا کریں؟

اور اللہ کی یاد میں ابتداء میں زیادہ دیر کے لئے بیٹھیں، غلطی کیا کرتے ہیں کہ
مراقبہ کرتے ہیں تین منٹ کا پانچ منٹ کا واہ بھئی واہ لیلیٰ پوچھے مجنوں سے کتنی
دیر یاد کرتے ہو آگے سے وہ جواب دے کہ پانچ منٹ وہی حال ہمارا ہے کہ ہم
بھی ماشاء اللہ اپنے اللہ کے لئے وقت کتنا نکال تے ہیں؟ پانچ منٹ، نہیں پانچ

منٹ سے کام نہیں بنے گا دیکھو کچھ ایسے کام ہوتے ہیں کہ جن میں مقدار کا تعلق
ہوتا ہے مثال کے طور پر بخار ہو گیا ڈاکٹر نے آپ کو دس گولیاں دیں اور کہا جناب صبح
شام ایک ایک گولی کھائیں پانچ دن کا کورس ہے اینٹی بایوٹک ہے بخار اتر جائے گا
آپ نے کہا اچھا بھئی کھانی تو ہیں دس گولیاں میں ایک ایک گولی روز کھا لیتا ہوں
آپ نے ایک ایک گولی کھاتے کھاتے دس دن میں مکمل کردی مگر بخار نہیں اترا
اب آپ ڈاکٹر کے پاس گئے جناب بخار نہیں اترا دس گولیاں تو ساری کھالیں وہ
پوچھیگا کہ تم نے دوائی ٹھیک سے استعمال کی؟ جب آپ تفصیل بتائیں گے تو
آگے سے کہے گا روزانہ کی مقدار ڈبل ہونی چاہئے تھی وہ آپ نے آدھی لی اسلئے
بخار نہیں اترا، اسی طرح مراقبہ کرتے ہیں سالک پانچ منٹ ہاں اگر پانچ کے ساتھ
صفر لگاتے پچاس منٹ ہو جاتا تو معصیت کا بخار اتر جاتا، اسمیں مقدار کا تعلق ہے
لھذا جم کر بیٹھیں، بیٹھے بغیر کام نہیں چلتا۔

انتظار کی گھڑیاں

دیکھئے دنیا کے جتنے بھی حکام اور بڑے ہوتے ہیں ان سے ملاقات کے لئے
کوئی کوشش کرے تو انتظار کرنا پڑتا ہے حولدار سے ملو تو بیٹھو انتظار کرو، ڈی آئی جی
سی سے یا وزیر سے ملو تو انتظار، اور وزیراعظم سے وقت لینا ہو تو میرا خیال ہے کہ
مہینوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے تب جا کر وقت ملتا ہے تو پھر رب کائنات بھی تو بٹھاتے
ہیں نا، بھئی تم مالک حقیقی سے ملاقات چاہتے ہو تو ذرا بیٹھو انتظار میں، اب ہم انتظار
کرنے سے گھبراتے ہیں اس سے گھبرانا نہیں ہے بس بیٹھنا ہے، ہمارا کام ہے بیٹھنا،
پہلے دن جب بیٹھیں گے تو سو برے خیال آئیں لیکن جب دو چار دن بیٹھتے رہیں
گے تو ۹۹ خیال برے مگر ایک خیال ان میں اللہ کی طرف والا بھی آئے گا، پھر بیٹھتے
رہیں گے تو ۹۸ برے اور دو خیال اللہ کی طرف والے بھی آئیں گے، یعنی اچھے
بڑھتے جائیں گے اور برے گھٹتے جائیں گے حتی کہ کچھ عرصے کے بعد ذکر میں
ایسی جاذبیت ہوگی کہ انسان سر جھکائے گا اور اللہ کی یاد میں ڈوب جائے گا۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مراقبہ صرف بیٹھ کر ہی کر سکتے ہیں؟

مراقبہ بیٹھ کر کرنا چاہئے ،اگر کوئی واقعی تنگی ہو رہی ہے تھک گئے ہو تو بھئی لیٹ کر کرلو،ٹیک لگا کر کرلو، ﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ اللہ تعالی نے تینوں حالتوں میں ذکر کے لئے اجازت دیدی ہے کرنا مقصد ہے، اچھا شروع شروع میں محسوس ہوگا یہ گردن میری ٹوٹ جائے گی تو نفس کو کہیں کہ بھئی ٹوٹنے دیں کوئی بات نہیں، حالاں کہ یہ ٹوٹے گی نہیں، جو گھنٹوں مراقبہ کرتے تھے ان کی نہیں ٹوٹی تمہاری منٹ والوں کی کیا ٹوٹے گی ،تو اس لئے اس میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کئی لوگ بیٹھتے ہیں ان کو اپنے پاؤں فوراسن ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اس سے بھی نہ گھبرائیں اسلئے کہ جب انسان بیٹھتا ہے تو اس کے جسم کا وزن اس کی پنڈلیوں پر آتا ہے تو پنڈلیوں کے اندر خون کی رگیں دبتی ہیں جس کی وجہ سے درد ہو رہا ہوتا ہے مگر اللہ نے ایسا سسٹم بنایا ہے انسان کا کہ اگر راستہ بلوک ہوگیا کسی وجہ سے اور خون نہیں جارہا تو دماغ خود بخود بائی پاس بنانا شروع کر دیتا ہے اسلئے جب ایک بندہ متواتر ایک جگہ بیٹھا رہے تو اس کے بائی پاس راستے بن جاتے ہیں پھر اس کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑا خٹک والے) بخاری شریف کا درس دیتے تھے اور ان کا درس تین گھنٹے کا ہوتا تھا تین گھنٹے وہ آکر التحیات کی حالت میں بیٹھتے تھے اور اللہ کی شان کہ ان کی عادت تھی کہ بخاری شریف نیچے اسٹول پر نہیں رکھتے تھے، دونوں ہاتھوں میں بخاری شریف لے کر بیٹھتے تھے ،کم از کم تین چار کلو تو بخاری شریف کی جلد کا وزن ہوتا ہے پھر یہ بھی نہیں کہ ان کے بازو کے نیچے سپوٹ ہوتے تھے اللہ کی شان عادت تھی ان کی جیسے بندہ دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے ایسے بخاری شریف لے کر بیٹھتے تھے، تین گھنٹے بغیر حرکت کئے ہوئے اپنی تقریر فرماتے تھے اور طلبہ کا یہ

حال کہ پریشان ہیں کبھی ادھر ٹیک لگا رہے ہیں کبھی ادھر لگا رہے ہیں تنگ ہوتے تھے اور حضرت ماشاء اللہ پوری زندگی ان کا یہ معمول رہا شروع میں مجاہدہ انہوں نے کاٹا ہوگا لیکن اب ان کے بائی پاس راستے بن گئے تو ان کو ایسے ہی محسوس ہو رہا ہے جیسے نارمل بیٹھے ہوئے ہیں حالاں کہ تین تین گھنٹے گذر جاتے تھے انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی ،تو یہ مراقبہ میں بیٹھتے ہوئے پاؤں کا سن ہونا گردن کا تھک جانا یہ کوئی چیز ہی نہیں ہے دھیان ہی نہ دیں اس طرف یہ خود بخود سب ٹھیک ہو جائے گا۔

حضرت مولانا حسین علی

ہمارے ایک بزرگ تھے حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں والے بڑے موحد تھے اللہ اکبر بہت سادہ تھے ٹھوس پنجابی بولتے تھے جیسے دیہاتی لوگ ہوتے ہیں مگر اللہ نے ان کو عجیب توحید کا نور دیا تھا، ہمارے حضرت ؒ (حضرت پیر غلام حبیب نقشبندی) نے ان سے قرآن مجید کا علم حاصل کیا تھا، حضرت فرماتے ہیں کہ بس سادہ سی طبیعت تھی دھوتی باندھتے تھے، دیہاتی سے بندے لگتے تھے، ایک مرتبہ ملتان کے اندر جلسہ تھا سارے لوگ اسٹیشن پر ان کا انتظار کر رہے تھے، اور حضرت صاحب چپ چاپ مجمع میں پہنچے ہوئے تھے، طبیعت میں ایسی بے نفسی تھی کہ میں اسٹیشن پہ انسے استقبال تھوڑے ہی کرواؤں گا میں تو استقبال کے قابل ہی نہیں ہوں وہ اترے اور پہنچ گئے مجمع میں اس مجمع میں عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا بھی بیان تھا اب لوگ تو آئے عطاء اللہ شاہ صاحب کی تقریر سننے عوام کالانعام تو ہوتے ہیں ان کو تو کوئی گا کر لہجہ بنا کر تقریر پڑھ دے سنا دے تو وہ تو اس پر فدا ہو جاتے ہیں، ان کو تو علمی نکات، معارف کا پتہ ہی نہیں ہوتا، لہذا پہلے حضرت مولانا حسین علی کو انہوں نے کھڑا کیا تقریر کے لئے ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک آیت پڑھی، پورے مجمع میں جو طلبہ یا علماء تھے ان کے دلوں کو تڑپا کر رکھ دیا، بس اتنا پڑھا ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝

کہنے لگے انہوں نے ایسے انداز سے آیت پڑھی کہ آیت پڑھ کر علماء کے دلوں میں توحید کا نور بھر دیا حضرت فرماتے تھے سالوں گذر گئے ہیں میں آج بھی اس آواز کو محسوس کر رہا ہوں اور اس آواز کی ٹھنڈک سے جو میرے دل میں اللہ کی عظمت پیدا ہوئی وہ مجھے آج بھی محسوس ہوتی ہے، بس انہوں نے چند منٹ بات کی اور کھڑے ہو گئے، پھر شاہ عطاء اللہ صاحب جو تھے وہ بیان کے لئے آئے پھر انہوں نے مجمع کو سمجھایا انہوں نے کہا لو گو تمہیں کیا پتہ آپ لوگ تو میری تقریر کے انتظار میں ہو جس بزرگ نے تقریر کی ہے نا ان کی پانچ منٹ کی تقریر پر میں پورے سال تقریریں کر کے روٹیاں کھاتا ہوں، یہ عطاء اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جس بزرگ نے پانچ منٹ تقریر کی ہے اس نے پانچ منٹ میں اتنا کچھ کہہ دیا، دل میں ڈال دیا کہ اب میں پورا سال اس پانچ منٹ کی وجہ سے تقریریں کر کے روٹیاں کھاؤں گا۔

ان کی ایک عادت تھی کہ لمبا مراقبہ کرتے تھے کتنا کہ ان کی خانقاہ میں عشاء کے بعد مراقبہ ہوتا تھا جس کی اختتامی دعا نہیں ہوتی تھی، کیا مطلب؟ کہ بس حضرت مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور سارے سالکین مراقبہ میں بیٹھ جاتے اس کے بعد سب کو اجازت تھی بھئی جو تھک جائے وہ چلا جائے ایک جاتا دوسرا جاتا تیسرا جاتا جاتے جاتے ایک وقت آتا، رات کے آخری پہر میں کہ سارے ہی چلے جاتے حضرت آنکھ کھولتے اور چاروں طرف دیکھتے کوئی نہیں، اٹھ کر تہجد کی نیت باندھ لیا کرتے تھے، اختتامی دعا ہی نہیں ہوتی تھی پوری پوری رات مراقبہ میں رہتے تھے

ایک واقعہ

ہمارے حضرت سید زوار حسین شاہؒ ایک مرتبہ ایک خلیفہ کے پاس گئے ملاقات کے لئے، چلو بھئی دس منٹ ملاقات کر کے آئیں گے تو وہ کہنے لگے کہ آپ آئے

ہیں تو تھوڑا مراقبہ کرتے جائیں فرمانے لگے کہ بہت اچھا، کہنے لگے مراقبہ میں بٹھا دیا بیٹھے بیٹھے نہ ہل رہے ہیں نہ جل رہے ہیں کہنے لگے ایک گھنٹہ گذر گیا حتیکہ دوسرا گھنٹہ گذر گیا حتی کہ اسی جگہ بیٹھے بیٹھے تیسرا گھنٹہ گذر گیا کہنے لگے ہم نے واپس اپنے کاموں پہ بھی آنا تھا اور ہمیں اب بے چینی شروع ہوگئی ہماری بے چینی جب انہوں نے محسوس کی تو مراقبہ ختم کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کی بے چینی کی وجہ سے میں دعا تو کروا دیتا ہوں آئندہ آیا کرو تو مراقبہ لئے وقت لے کر آیا کرو تین گھنٹے بٹھا بھی دیا اور تین گھنٹے بٹھا کر فرمایا آیا کرو تو مراقبہ کا وقت لے کر آیا کرو، اصل میں، جن لوگوں کو اللہ رب العزت کی محبت کی وہ لذت محسوس ہونی شروع ہو جاتی ہے ان کا دل بیٹھا رہتا ہے، آپ بچوں کو دیکھو گیم کھیلنے بٹھا دو انکو ایک گھنٹے کا پتہ بھی نہیں چلتا آپ کہیں بیٹا ایک گھنٹہ گذر گیا وہ کہے گا ابو ابھی تو دس منٹ نہیں گذرے حتی کہ آٹھ آٹھ گھنٹے بیٹھ کر بچے گیم کھیلتے ہیں تھکتے نہیں ہیں اللہ والوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کئی کئی گھنٹے مراقبہ کرتے ہیں اللہ اکبر، تو اس میں مراقبہ میں دل کی گرہ کھلے دل سے انسان کو اللہ اللہ محسوس ہونا شروع ہو جائے اس کا راز لمبا بیٹھنے میں ہے، یہ یاد رکھیں دو منٹی تین منٹی پانچ منٹی مراقبہ سے لطیفہ نہیں کھلتا۔

ہر چیز کا ایک معیار ہے

جیسے زمین کے اندر اگر سو فٹ پہ پانی نکلتا ہے تو آپ پچاس پچاس فٹ کے ایک لاکھ بور بھی کر دو تو پانی نہیں نکلے گا اور سو فٹ کا ایک بور کرو گے تو پانی نکل جائے گا، بس یہی ہے راز کہ اللہ نے وقت کا ایک معیار متعین فرمایا ہے اتنا وقت بیٹھنے کے بعد اللہ نے یہ سنوا دینا ہے، تو وہ تو ہمیں پورا کرنا ہی پڑے گا چاہے لیٹ کے کر لیں، چاہے ٹیک لگا کے کر لیں، چاہے بیٹھ کے کر لیں، لیکن کریں، انتظار کی گھڑیاں پوری کئے بغیر لطیفہ نہیں کھلتا بس یہ موٹا سا راز ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اس لئے جس نے بھی پایا اس نے لمبے مراقبے سے پایا، منٹوں سے کچھ نہیں ہوتا گھنٹوں سے کام بنتا ہے۔

یادوالے آج بھی ہیں

ہم لوگ جب اپنے زمانہ طالب علمی میں تھے یونیورسٹی میں اور ساتھ ہی اذکار بھی کررہے تھے تو اس زمانہ میں ہمیں حضرت نے یہ بات سمجھائی کہ بھئی مراقبہ کرو گے تو کچھ بنے گا، تو ہمیں یاد ہے کہ ہمارا ایک عام معمول تھا تین گھنٹے کا مراقبہ یہ روز کا معمول تھا بلکہ تین گھنٹے بے حرکت مراقبہ کرتے تھے تین گھنٹے میں ہاتھ ہل جاتا تھا تو کہتے تے اب سے تین گھنٹے اور چھٹی کے دنوں میں جب یونیورسٹی کا کام نہیں ہوتا تھا پانچ گھنٹے مراقبہ کرنا چھ گھنٹے مراقبہ کرنا کوئی مسئلہ ہی نظر نہیں آتا تھا ابھی چند دن پہلے کسی نے خط لکھا اس نے کہا جی آج میں نے آٹھ گھنٹے مراقبہ کیا تو آج بھی لوگ ایسے موجود ہیں آٹھ آٹھ گھنٹے مراقبہ میں بیٹھتے ہیں ناشتہ کر کے بیٹھتے ہیں ظہر کے وقت سر اٹھاتے ہیں ملکہ ہوجاتا ہے اور اس میں بندے کو تکلیفیں ہوتی ہیں انمیں مزہ آتا ہے۔ اللہ اکبر

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

جمال یار کے مشاہدے سے جیسے کسی کا دل نہیں بھرتا انکا بھی دل نہیں بھرتا یقین کیجئے کہ ہم اپنے زمانہ طالب علمی میں جب مراقبہ کے لئے بیٹھنے لگتے تھے تو دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگتے تھے اللہ کوئی ڈسٹرب کرنے والا نہ آجائے کوئی دروازہ نہ کھٹکھٹا دے کوئی بیل نہ بجادے کوئی مصیبت نہ آجائے ہم اس کو مصیبت سمجھتے تھے دو رکعت پڑھ کر دعا مانگتے تھے یا اللہ ڈسٹرب کرنے والوں سے بچادینا میں بیٹھنا چاہتا ہوں، لہذا سکون سے بیٹھیں اس کی لذت ہی ہم نے نہیں چکھی اسلئے ہمیں مراقبہ کرنا مشکل نظر آتا ہے کہنے والے نے کہا تھا کہ

لطف میں تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

پی کے تو دیکھیں ذرا، مخلوق کی محبتوں میں اتنا مزہ ہے تو اللہ کی محبت کا مزہ کیا ہوگا

وہ جن کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

بس دل میں انسان اللہ کو یاد کرتا ہے ایسا مزہ آتا ہے کہ انسان کی زندگی میں رنگ بھر جاتا ہے

زندگی ہے امر اللہ زندگی ایک راز ہے
قلب کہے اللہ اللہ زندگی کا ساز ہے

یہ زندگی کا ساز ہے آپ نے دیکھا ہے بعض لوگ ہیں وہ ڈرائیونگ کرتے ہیں نعت لگادیتے ہیں، تلاوت لگادیتے ہیں، جو آزاد قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ میوزک لگادیتے ہیں گانا لگادیتے ہیں تو کبھی ان سے پوچھیں کہ بھئی تم یہ کیوں لگاتے ہو تو وہ کہتے ہیں، جی جب ہم ڈرائیونگ کررہے ہوتے ہیں بیک گراؤنڈ میوزک جو ہے یہ ذرا اچھی لگتی ہے بندہ فریش ہوجاتا ہے، اللہ تعالی نے ہر بندے کے لئے باطن میں یاد الہی کی بیک گراؤنڈ میوزک بنادی ہے بس ہم اس میوزک کا بٹن اون کرنا نہیں جانتے اگر ہمیں اون کرنا آجائے تو یہ اللہ اللہ کی ایسی میوزک شروع ہوگی دن رات صبح شام بلکہ وہ میوزک تو کار میں ہے باہر میں نہیں گھر تو میں ہے تو بازار میں نہیں بازار میں ہے تو فلاں جگہ نہیں پہاڑ کی چوٹی پہ نہیں یہ تو ایسی ہے آپ گھر میں ہیں بازار میں ہیں پہاڑ میں ہیں دن میں ہیں رات میں صحت مند بیمار جس حال میں ہیں یہ اللہ اللہ اللہ کی صدا ہر وقت آپ کو سنائی دے رہی ہے اس کیفیت کے بعد ہمارے بزرگوں نے کہا کہ جو دم غافل سو دم کافر جو سانس غفلت میں گذر گیا یوں سمجھ لو کہ وہ سانس کفر کی حالت میں گذر گیا ایک سانس کی جو دیر ہوتی ہے اتنی دیر بھی بندہ اللہ سے غافل نہیں ہوتا

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

اس شہنشاہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی تو غافل نہ ہونا ہوسکتا ہے اسی ایک لمحہ

میں شاہ تیری طرف متوجہ ہوا اور تو آگاہ ہی نہ ہو، تو یہ اللہ والے ایک لمحہ بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ اللہ اکبر کبیرا

لذتوں کی دنیا

تو بھئی یہ نعمت جو ہے اگر اس کا مزہ ہمیں مل جائے تو ہم تو کہیں گے کہ یار پہلے ہم زندگی کیا گذارتے تھے ایک مثال سے سمجھیں کہ جیسے بچپن میں انسان چھوٹا ہوتا ہے گڑ کھاتا ہے تو اس کے نزدیک سب سے بڑی مٹھائی گڑ ہوتی ہے، بچہ جو ہوا اب جب جوان ہو جاتا ہے شادی ہو جاتی ہے اور اب کسی شادی شدہ بندے کو گڑ کی ڈلی دیں گے کہ جی آج آپ گھر نہ جائیں تو ہنسے گا کہے گا کیا بیوقوفی کی بات کر رہے ہیں، گڑ کی ڈلی کا مزہ اور ہے پھول کی کلی کا مزہ کچھ اور ہے تو جیسے اس مزے کو جاننے والے گڑ کے مزے پہ ہنستے ہیں ٹھیک اسی طرح جو لوگ ذکر قلبی کے مزے پالیتے ہیں وہ پھر دنیا کی کھانے پینے کی لذتوں کے مزے پر ہنسا کرتے ہیں یہ کیا مزے ہیں جن کے پیچھے بھاگے پھرتے ہو۔

مرغ دل را گلشن بہتر زکوئے یار نیست
طالب دیدار را ذوقِ گل گلزار نیست
گفتم از عشق بتاں اے دل چہ حاصل کردہ ای
گفت مارا حاصل جز نالہ ہائے زار نیست

دنیا کے محبوبوں سے کیا ملنا ہے رونا دھونا اور اس کے سوا کیا، یہ جو مخلوق کا عشق ہے یہ عذابِ الٰہی ہے اور جس کو عذاب ہو اس کو سکون نہیں ہوتا، کسی پل چین نہیں ہوتا اسلئے جس کو یہ فسق مل جائے اس بیچارے کو چین نہیں ہوتا نہ دن کو چین ہوتا ہے نہ رات میں، راتوں کو جاگتے ہیں کھانا نہیں ہوتا زندگی میں ان کو سکون ہی نہیں ہوتا انسان خود آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ یہ بیچارا عذاب میں مبتلا ہے اس کے بالمقابل اللہ رب العزت کے عشق میں جو ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اتنی پرسکون زندگی ان کو بیٹھا کے دروازہ بند کر دو دوسرے دن آ کر کھولو اپنی جگہ آرام سے بیٹھے ہوں گے

ایسی پرسکون زندگی ہوتی ہے

لمحات اعتکاف کی قدر کریں

تو یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ انسان کے لطائف کھلنے کے لئے ابتدا میں گھنٹوں انتظار میں بیٹھنا پڑے گا ہاں جب لطائف کھل جائیں اور وہ اللہ اللہ کی کیفیت محسوس ہونے لگ جائے پھر انسان اگر تھوڑی دیر بیٹھے اور باقی چلتے پھرتے بھی کرتا رہے تو لطائف تازہ رہتے ہیں یہ ابتدائی مجاہدہ ہے اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے انجن اگر چلانا ہو تو شروع میں دس بندے مل کر کھینچو تو انجن چلے گا لیکن جب چل جاتا ہے پھر دس بندے تو نہیں کھینچتے انجن خود چل رہا ہوتا ہے اسی طرح شروع میں اس دل کے انجن کو اسٹارٹ کرنے کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے تو بنیادی نکتہ یہ سمجھیں کہ آپ جتنا وقت ملے اتنا وقت مراقبہ میں بیٹھیں اور اس کے لئے بہترین موقع اللہ نے اعتکاف کا دیدیا اب دس دن کے لئے اللہ نے قالبی یکسوئی عطا فرمادی سب چھوڑ چھاڑ کر ادھر آ گئے مسجد سے تو نکل نہیں سکتے تو اللہ نے اگر قالبی طور پر تبتل عطا فرمادیا تو بھئی قلبی تبتل بھی تو لے لیجئے اگلا کام تو ہمیں خود کرنا ہے۔

بچہ سے سبق حاصل کریں

ذکر کرنا ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ یہ تبتل کے مقام تک پہنچنا ہے ہمیں تو یہ بہت اچھا موقع اللہ نے دیدیا کہ دس دن کے لئے ویسے ہی مسجد میں رہنا ہے قالبی تبتل اللہ نے ویسے نصیب فرمادیا اپنی رحمت سے اب قلبی تبتل حاصل کرنے کے لئے ہمیں مراقبہ کرنا ہوگا تو آپ جب بھی معاملات سے فارغ ہوں ادھر کونے میں ادھر کونے میں بس بیٹھ جائیں ادھر ادھر کا خیال نہ کریں کہ یہ دیکھ رہا ہے وہ دیکھ رہا ہے بچے کو جب کوئی چیز لینی ہوتی ہے ایسا روتا ہے کہ ذرا بھی نہیں دیکھتا ہے کہ کون ہے اور کون نہیں اس نے کبھی سوچا کہ امی بیٹھی ہے ہمسائی آئی ہوئی ہے یا خالہ یا ابو آئے

ہوئے ہیں، جو کوئی بھی ہو روتا ہے یہاں تک کہ اس کو مقصود مل جاتا ہے، تو ہمارا بھی یہی حال ہونا چاہئے جب ہمیں ایک چیز اللہ سے لینی ہے تو بھئی ہم بیٹھیں صف میں جا کر سنتیں پڑھ کر باقی جو وقت بچے اس میں مراقبہ کریں، آپ تلاوت کریں باقی وقت مراقبہ کریں، جتنا زیادہ مراقبہ کریں گے اتنا جلدی آپ کے یہ لطائف کھلیں گے پھر مشق ہو جائے گی، ذکر کی کیفیت محسوس ہونی شروع ہو جائے گی، یہ عجیب چیز ہوتی ہے۔

ہرن کا جوبن

جانوروں میں ہرن کی ایک خاص قسم ہے اس کو کہتے ہیں نافہ، نافہ اسلئے کہتے ہیں کہ اسکی ناف کے اندر سال کے خاص حصہ میں مشک پیدا ہوتا ہے ہم نے ایک مرتبہ پرفیوم والوں کے پاس جا کر پوچھا انہوں نے ہمیں دکھایا، ناف کے اندر ایک چیز پیدا ہوتی ہے اور اس چیز کو مشک کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سال کے جس حصہ میں اسکے ناف میں وہ خوشبو بنی ہوتی ہے تو جب یہ اس کو خود محسوس کرتا ہے تو اس پر جوبن کی کیفیت ہوتی ہے، یہ چھلانگیں لگاتا ہے، دوڑتا ہے، بھاگتا ہے نہ اسے نیند کی پرواہ ہوتی ہے، اس کی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی ہے کھانے کی پرواہ نہیں ہوتی، عجیب اس کے اوپر جوانی کا نشہ ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح اللہ والوں کی مثال اس نافے کی مانند ہوتی ہے ان کے قلب کے اندر ایسا مشک پیدا ہو جاتا ہے یاد الٰہی کا کہ بس وہ ذرا سونگھتے ہیں ان پر ایک جوبن چڑھ جاتا ہے رات رات نظر نہیں آتی دن دن نظر نہیں آتا ﴿رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلاً وَّنَهَاراً﴾ اس کا مصداق بن جاتے ہیں۔

ہمت وکوشش سے کام بنتا ہے

تو ہم اس گرہ کو کھولنے کے لئے اس دفعہ کوشش کریں، بالخصوص کچھ وقت لگایئے اور ذرا چند دن لگا کر پھر اس کا مزہ دیکھئے آپ کو جب مزہ آئے گا تو آپ اپنی گذری

ہوئی زندگی پر افسوس کریں گے کہ کاش مجھے یہ پہلے نصیب ہو جاتا ہم نے اکثر نوجوانوں کو دیکھا کہ شادی کے بعد کہتے ہیں کاش کچھ سال پہلے ہو جاتی، بالکل اسی طرح جب ذکر قلبی ملتا ہے تو دل کہتا ہے کاش کہ یہ کچھ سال پہلے ہی مل جاتا تو مزہ آجاتا، تو اللہ تعالیٰ سے یہ نعمت مانگئے یہ مانگنے کی چیز ہے اسکو تمنا بنا کر مانگئے کہ یا اللہ میں آپ کی حضوری والی زندگی گذارنا چاہتا ہوں آپ سے غفلت والی زندگی نہیں گذارنا چاہتا، بس میرے دل میں ہر وقت آپ کی یاد ہو ایسی زندگی عطا فرما۔

اس کا طریقہ یہی ہے کہ پہلا سبق ہے لطیفہ قلبی، ذکر قلبی شروع کر دیجئے ایک دفعہ ذکر کی جڑ لگ گئی پھر آگے دیکھنا، لیکن پہلے آپ اس کے پیچھے لگے گیں پھر یہ آپ کو لے کر چلے گا، جیسے چائے کی عادت، شروع میں لوگ زبردستی پلاتے ہیں پھر چائے کی عادت ہو جاتی ہے پھر بندہ زبردستی پیتا ہے کہتا ہے جی پلاؤ، مجھے چائے کے بغیر نیند ہی نہیں آتی، ایک صاحب کو چائے کے بغیر نیند نہیں آتی تھی ہم سمجھتے ہیں کہ چائے پیو تو نیند آتی نہیں وہ کہتا ہے نہیں میں تو چائے پیتا ہوں تب مجھے نیند آتی ہے، وہ چائے پی کر پرسکون ہو جاتا تھا، تو یہ ایسا ہی ہے اس لئے

ہمارے بزرگوں نے کہا مبتدی کے لئے ذکر دوا کی مانند ہے اور منتہی کے لئے ذکر غذا کی مانند ہے، اب غذا کے لئے کوئی مشکل کرنی پڑتی ہے دنیا میں سب سے درست گھڑی پیٹ کی گھڑی ہے، اپنے ٹائم پر الارم دیدیتی ہے اور اس کے بعد پھر ایسی بھوک لگتی ہے کہ بس بندے کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ دو اور دو کتنے؟ تو کہتا ہے چار روٹیاں، بھوک جو اتنی لگی ہوتی ہے، بالکل اسی طرح یہ ذکر جب جڑ پکڑ لیتا ہے پھر اس کے بعد بندے کو یہ ہلنے نہیں دیتا پھر شیطان ایسے بندوں سے دور رہتا ہے وہ کیسے قریب آئے جب دل ہی ہر وقت اللہ کے ذکر میں لگا رہتا ہے یہ وہ بندے ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ﴿اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطَانٌ﴾ شیطان کو کہا کہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا داؤ نہیں چل سکتا ہے، ان کے دل میری یاد میں رچ بس گئے ہیں۔

فنائیت والے کا حال

دست بکا ر دل بیار

بس ہاتھ کام کاج میں مشغول اور دل اللہ کی یاد میں مشغول اور اگر اس کو زیادہ کیا جائے اور اسمیں فنائیت کا مقام آجائے سبحان اللہ وہ فنائیت کا تو کچھ کام ہی اور ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں اپنے مکتوبات میں کہ جس بندے کو فنائیت نصیب ہو جائے ذکر میں یعنی ذکر کے اندر رسوخ حاصل ہو جائے فرماتے ہیں اس کو ہزار سال کی زندگی دیں اور کہیں کہ وہ اللہ کو بھول کر دکھائے وہ اللہ کو بھول نہیں سکتا فرماتے ہیں کہ اب وہ ایک ایسے پوئنٹ پر جا کر پہنچ گیا۔

بھلانا بھی چاہو بھلا نہیں سکو گے

اس کو کہتے ہیں point of No return وہ مقام جہاں سے بندہ واپس نہیں آسکتا، اسلئے ہمارے اکابر نے لکھا ہے کہ فنائے قلبی تک اپنے آپ کو انسان جلدی سے پہنچائے تاکہ شیطان کے حملوں سے انسان محفوظ ہو جائے اللہ سے مانگے اللہ ہمیں بھی وہ نعمتیں دے کہ ہم بھی اس مقام تک پہنچیں، بھلانا بھی چاہو بھلا نہیں سکو گے، ہم بھولنا بھی چاہیں تو نہیں بھول سکیں گے، کئی لوگوں کی یاد ایسی دل میں ہوتی ہے بھولنا بھی چاہیں تو بھولتے ہی نہیں ہیں ایک صاحب نے کہا تھا کہ

کہ روز کہتا ہوں بھول جاؤں انہیں

روز یہ بات بھول جاتا ہوں

واقعی ہمارے اکابر نے ایسی زندگیاں گذاریں کہ ان کو اللہ کی ایسی یاد نصیب ہوگئی کہ پھر ایک لمحہ بھی ان کے دل سے اللہ کی یاد نہیں گئی، یہ ہے زندگی یہ نعمت اللہ سے لینے کی چیز ہے، انشاء اللہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی آسان فرمادیں ،لیکن اس کی بنیاد یہ ہے کہ آج آپ یہ نیت کریں کہ رات کا وقت ملے دن کا وقت

ملے جب بھی ملے بس آپ جہاں ہیں بیٹھ کر مراقبہ کریں ٹیک لگا کر کریں لیٹ کر مراقبہ کریں بس آپ اپنے دل کی طرف متوجہ ہوں ایک دوسرے سے پھر بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہے گا، جب ادھر دل کی طرف دھیان لگ گیا نا پھر ایسا مزہ آئے گا کہ پھر دل ہی نہیں چاہے گا کہ کسی انسان سے بات کریں آپ کا دل چاہے گا کہ میں اللہ کی یاد میں لگا رہوں ایسے یکسو ہو کر ذکر کر لیجئے اللہ تعالیٰ اس ذکر کا حاصل ہونا ہمارے لئے آسان فرمادیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ایک دعا

یا رب درون سینہ دل با خبر بدہ

در بادہ نشہ را نگرم، آں نظر بدہ،

ایں بندہ راں کہ بانفس دیگراں نزیست

یک آہ خانہ زاد مثال سحر بدہ

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ﴾

اصلاح باطن کے دوراستے

از افادات

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

فہرست عناوین

الله الله الله

اقتباس

پہلے پاکیزہ دور ہوتا تھا، حیا کا دور ہوتا تھا، بہت ساری برائیاں اس زمانے میں ہوتی ہی نہیں تھیں، ایسا زمانہ تھا کہ اگر کوئی بندہ اس دور میں پاگل ہوجاتا تھا تو وہ کثرت سے اذان ہی دینی شروع کردیتا تھا کہ جی یہ پاگل ہوگیا ہے ہروقت اذان ہی دیتا رہتا ہے، تو اس وقت کے پاگل ایسے تھے اور آج کل کے تو عقلمند گالیاں بکنے لگ جاتے ہیں تو یہ زمانہ اور ہے اتنا حیا کا زمانہ تھا کہ ایک شخص امام اعظمؒ کے پاس حاضر ہوا نوجوان تھا اور اس نے آکر سوال پوچھا کہ حضرت مرد اور عورت کے جو پوشیدہ اعضاء ہیں ان میں فرق کیا ہوتا ہے؟ اب بتائے کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گیا اور اس عمر میں پہنچنے تک اس کو یہ بھی معلوم نہیں چلا کہ مرد اور عورت کے جسم میں کیا فرق ہوتا ہے؟ ایسا پاکیزہ دور تھا اور آج کل تو آپ پانچ اور سات سال کے بچہ سے جو چاہیں پوچھ سکتے ہیں تو پہلے وقتوں میں انسان کے من کا صاف کرنا اس کا معاملہ کچھ اور تھا اب اس کے اندر جو ہے وہ تفصیل آتی چلی جارہی ہے اسلئے یہ ذمہ داری شریعت نے مشائخ کے کندھوں پر ڈال دی کہ سالکین کو کس طرح کیسی محنتوں پر کھڑا کرنا ہے کہ وہ اپنے من کو صاف کریں۔

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا پیر

حافظ ذوالفقار احمد صاحب

نقشبندی مجددی زید مجدہ

الحمدللّٰہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی

امابعد

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم ☆ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

﴿ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِرَبِّیْ ﴾

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

انسان دو چیزوں کا نام ہے ایک جسم اور دوسرا روح

جسم عالم خلق سے بنا ہے اور روح عالم امر کی چیز ہے، روح کے بارے میں اللہ تعالی نے عام لوگوں کو زیادہ علم عطا نہیں فرمایا، قرآن مجید میں فرمایا ﴿وَمَااُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ لیکن جن لوگوں نے محنت کی اور اللہ رب العزت کو خوش کیا اللہ نے ان پر حروف مقطعات کے علوم کو کھولے اسما کے علوم کھولے ان پر اللہ تعالی نے متشابہات کے علوم بھی کھولے انہیں پر اللہ تعالی نے اس روح کا بھی علم کھولا تو انہوں نے کشف کی نظر سے یہ دیکھا کہ روح کا تعلق پورے جسم کے ساتھ عام ہے اور چند جگہوں کے ساتھ خاص ہے۔

ایک مثال

اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر دور سے بندہ اس کمرے کو دیکھے تو پورا کمرا ہی روشنی کا گولا نظر آئے گا لیکن روشنی کا تعلق پورے کمرے کے ساتھ عام ہے اور ان جگہوں کے ساتھ خاص ہے اب وہ جن جگہوں کے ساتھ خاص تعلق ہے

ان کوانہوں نے لطائف کہا، لطائف پانچ ہیں انکے نام رکھ دیئے (۱) قلب (۲) روح (۳) سر (۴) خفی (۵) اخفی

پھرانہوں نے کہا کہ عالم خلق کے بھی دو لطیفے ہیں ایک نفس اور دوسرا قالب، اب قالب جو ہے یہ پھر چار عناصر سے مل کر بنا

(۱) آگ

(۲) پانی

(۳) ہوا

(۴) اور مٹی

اگران کے عناصر کو الگ الگ گن لیں

تو پانچ لطائف بنے عالم امر کے

اور پانچ لطائف بنیں عالم خلق کے

اب ہر لطیفہ جو عالم خلق کا ہے اس کو عالم امر کے کسی نہ کسی لطیفے کے ساتھ ایک تعلق ہے، مناسبت ہے

چنانچہ قلب کی مناسبت نفس کے ساتھ

روح کی مناسبت ہوا کے ساتھ

سر کی مناسبت پانی کے ساتھ

اور خفی کی مناسبت آگ کے ساتھ

اور اخفی کی مناسبت مٹی کے ساتھ

اس طرح آپس میں مناسبتیں ہیں۔

انسان کے علاج کے دو طریقے

انسان اپنے آپ کو دو طرح سے ٹھیک کرسکتا ہے

ایک اپنے نفس کو ٹھیک کرلے

یا پھر اپنے دل کو ٹھیک کرلے

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، ملے ہوئے ہیں دونوں سے ایک ہی نتیجہ نکلے گا، اللہ رب العزت نے دو ہی طریقے رکھے انسان کی اصلاح کے ایک فرمایا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ نفس کے تزکیہ کا ویہاں تذکرہ ہوا، اور حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اپنے دل کی اصلاح کرلی اس کی اصلاح ہوگئی تو دونوں کی خوشخبری ہمیں نص سے ملتی ہے کہ ہم چاہیں تو دل کی محنت کرلیں یہ سنور جائے تو سب سنور جائیں گے اور چاہیں تو نفس کو سنوار لیں پٹا ڈال لیں شریعت کا تو بھی سنور جائیں گے۔

قرون اولی کے لوگ

قرون اولی میں چونکہ خیر کا زمانہ تھا لوگ بہت عبادت گذار ہوتے تھے اس زمانے میں اللہ رب العزت نے نفس کی اصلاح کے ذریعہ سے لوگوں کا نسبت کو پانا معرفت کو پانا اس راستے کو کھول دیا، چنانچہ اس زمانہ میں وہ لوگ بڑے مجاہدے کرتے تھے یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ اللہ دکھاتا ہے کہ دیکھو میری خاطر میرے بندے کیا کیا کرتے ہیں، اللہ تعالی خوش ہوتے ہیں، اب آپ کہیں جی کہ اللہ تعالی کیسے دکھاتے ہیں؟ حدیث پاک میں آتا ہے ایک بندہ تہجد کے لئے اٹھتا ہے اللہ تعالی فرشتوں کو دکھاتے ہیں کہ دیکھو دل میں گھر کرنے والی بیوی پاس تھی اگر یہ چاہتا تو اس کے ساتھ وقت گذارتا لیکن مصلے پہ کھڑا ہے اس کو کس نے کھڑا کیا؟ میری محبت نے کھڑا کیا، تو اللہ تعالی بھی دکھاتے ہیں، فرشتوں کو تو اللہ تعالی نے اس وقت دکھایا کہ دیکھو میرے بندے میرے لئے کیا کیا مجاہدے کرتے ہیں میرے نام کی خاطر کیا کیا قربان کرتے ہیں، کھانا کم، پینا کم، سونا کم، ہیں تو انسان لیکن فرشتوں والی صفتیں ان کے اندر آگئی ہیں چنانچہ کتنے لوگ تھے کہ جنہوں نے بیس بیس سال خشک ستو پھانک کر گذارا کرلیا، اب یہ کیا کھانا ہوا

امام بخاریؒ اٹھارہ سال روزانہ پانچ سے سات بادام کھا کر گذارا کر لیتے تھے اٹھارہ سال زندگی کے ایسے گذارے اور پتہ کیسے چلا بیمار ہوئے طبیب نے چیک کیا تو اس نے کہا کہ اس نے تو کبھی مرچ ہی نہیں کھائی اب شاگردوں نے پوچھا تو بتایا کہ ہاں میں پانچ سات بادام کھا کر پورا دن گذارا کر لیتا ہوں علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اتنا تھوڑا کھاتے تھے کہ ان کو بکری کی طرح مینگنی آیا کرتی تھی، اور فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں وہ لوگ بھی تھے جو ہفتہ میں ایک دفعہ بیت الخلا جاتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو پانچ دن بعد جاتے تھے اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ روزانہ بیت الخلا ایک دفعہ جانا شروع کر دیا تو میری والدہ نے مجھے طبیب کے پاس بھیجا کہ میرے بیٹے کا پیٹ خراب ہو گیا ہے، آپ سوچیں ہمارا کیا حال ہے؟ پانچ مرتبہ تو بیت اللہ (مسجد) اور دس مرتبہ بیت الخلاء جو مجاہدے وہ کر گئے وہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

ایمان کے بچانے کا دور

یہ زمانہ کمزوروں کا زمانہ ہے اللہ رب العزت نے اپنے کمزور بندوں کیلئے رحمتیں فرما دیں مشائخ نے بھی رو رو کر دعائیں مانگی کہ اے اللہ ہمیں وہ نسبت دیدیجئے جس میں تیرے تک پہنچنا آسان ہو کمزور سے کمزور بندہ بھی پہنچ جائے پہلے انتخاب ہوتا تھا اسلئے آپ دیکھیں کہ پہلے لوگ مشائخ کے پاس بیعت ہونے کے لئے آتے تھے تو وہ کئی کئی دن استخارے ہی کرتے رہتے تھے جلدی نہیں مانتے تھے بڑا اچھن چن کر بیعت کرتے تھے اسلئے کہ مجاہدوں کا زمانہ تھا اور اب جو آتا ہے اسی کو بیعت کر لیتے ہیں ایک مرتبہ میں نے اپنے حضرتؒ سے پوچھا کہ حضرت پہلے زمانے میں تو مشائخ بیعت سے پہلے بڑا کچھ کرواتے تھے پھر بیعت کے لئے قبول کرتے تھے اور ہمارے یہاں تو مسجد میں پگڑی پھیلا دیتے ہیں کہ جو چاہے بیعت ہو جائے تو حضرت نے فرمایا کہ وہ زمانہ خیر کا تھا اس وقت

کمال تک پہنچنے کے لئے لوگ آتے تھے اسلئے وہ ذرا انتخاب کرتے تھے یہ زمانہ ایمان کے بچانے کا زمانہ ہے ہر آنے والے کو اسلئے قبول کرتے ہیں کہ ان کا توبہ کے کلمات کے پڑھنے کی وجہ سے موت کے وقت ایمان ہی سلامت رہ جائے تو یہ بھی کامیابی ہے فرمایا اب دوسرا حال ہے اور واقعی ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کہ جس شخص کے سینہ پر یہ انگلی لگ گئی اس کو ذکر کے علاوہ موت نہیں آسکتی، اتنی توجہات کا اثر ہوتا ہے، بزرگوں کے ساتھ توبہ کے کلمات پڑھنے کی اتنی برکات ہوتی ہیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ موت کے وقت کلمہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں [هُمْ رِجَالٌ لاَ يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ] وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا، یہ کتنی بڑی برکت ہے کہ آدمی کا انجام اچھا ہو جائے، تو یہ بیعت کی برکات میں سے ایک برکت ہے۔

طریقہء اصلاح مشائخ نقشبند

اب جب ہم ذکر شروع کرتے ہیں تو لطیفہ قلب سے شروع کرتے ہیں چونکہ اصلاح کے دو طریقے یا تو دل کو محبت سے بھر دو تو محبت کی وجہ سے بندہ محبوب کی ہر بات مانتا پھرے گا، [اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَا يُحِبُّ مُطِيْعٌ]

اور دوسرا طریقہ ہوتا ہے کہ نفس پہ محنت کر کے اس کو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ اس کو شریعت کی لگام ڈال دی جائے وہ بھی طریقہ ہے،

مشائخ نقشبند دل کے مراقبہ سے کام شروع کرتے ہیں اور چونکہ دل کو نفس کے ساتھ مناسبت ہے تو نفس کا تزکیہ اور نفس کی اصلاح اسکے ضمن میں ہوتی چلی جاتی ہے، یعنی آپ اگر دل کو اللہ کی محبت سے بھریں گے نا تو نفس کا خود بخود تزکیہ ہوتا چلا جائے گا، یہ ستھرا ہوتا چلا جائے گا، اس کے اندر سے گندگی انانیت تکبر یہ چیزیں نکلتی ہی چلی جائیں گی، اس کو ہمارے بزرگوں نے ان الفاظ میں بیان کیا (اندراج النهاية في البداية) نہایت کہتے ہیں آخر کو اور بدایت کہتے ہیں ابتداء کو کہ

دیکھوابتداء میں محنت کرتے ہیں مگراس میں انتہائی نعمت بھی انسان کوملنی شروع ہوجاتی ہے، یایوں کہدیتے ہیں کہ انفسی سیر میں آفاقی سیرخودبخودہوجاتی ہے انفسی کہتے ہیں عالم امر کے لطائف کوچونکہ اندر سے وابستہ ہیں تویہ انفسی سیر ہے اوراسمیں جوعالم خلق کی جوسیر ہے وہ خودبخودجاتی ہے، توکسی نے کہدیا اندراج النھایۃ فی البدایۃ اورکسی نے کہہ دیا کہ سیر انفسی کے ضمن میں سیر آفاقی خودبخودہو جاتی ہے، اس سے کیامراد ہے؟ آپ اپنے عالم امر کے لطائف کونور سے منور کریں عالم خلق کے لطائف خودبخودمنورہوتے چلے جائیں گے، تواسکوسیرانفسی کہااوراسکوسیرآفاقی کہااب یہ الفاظ کہیں لکھے ہوئے ہوں کہ بھئی سیر انفسی کے ضمن میں سیر آفاقی ہوجاتی ہےتوپریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہےاس کاسمجھنا اب آسان ہوگیا کہ سیر انفسی کیا ہےاورسیر آفاقی کیا ہے؟۔

ایک سوال

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل جاری ہونا کس کوکہتے ہیں؟ جب ہم کہتے ہیں جی فلاں بندے کادل جاری ہوگیا تواس کوسمجھنا چاہیۓ صورت حال یہ ہے کہ جب بندہ بیٹھ کر بہت مراقبہ کرتا ہے،تومراقبہ میں اپنے دل کوتمام خیالات سے خالی کرلیتاہےنیت کرتا ہے کہ نہ زمین، نہ آسمان، نہ انسان، نہ حیوان، نہ شیطان کچھ بھی نہیں ہےتوکیاایسی جگہ ہے کہ جہاں بالکل ہی خلاہو؟ خلااس دنیامیں محال ہے آپ کمرے میں خلاپیداکرنے کی کوشش کریں ہواکہیں سے نہ کہیں سے آجائے گی توجس طرح آپ کمرے میں خلاپیداکرنے کی کوشش کریں توہواخود بخودآجاتی ہے، اسی طرح آپ اپنے ذہن میں مخلوق کے خیال سے خلاپیداکرنے کی کوشش کریں، اللہ کی محبت اورنورخودبخوداس میں آجائے گا، یہ سمجھ میں آنی والی بات ہے، آپ دل کوخالی کر کے بیٹھیں توصحیح، نیت توکریں۔

یہ اسباب کی دنیا ہے یہاں اللہ تعالی نے نظام ایسابنایا ہےتوجب ہم اپنے

5

ذہن کوخالی کرلیں گےتواللہ رب العزت کادھیان خودبخوداس میں آجائے گا۔

اورمراقبہ میں دوسرااہم یہ سوچتے ہیں کہ میرادل اس نورکی وجہ سے اللہ اللہ کہہ رہا ہے، اب یہ ایک گمان ہی ہے ناجوہم لے کر بیٹھتے ہیں، توجب گمان لے کر بیٹھتے ہیں تواللہ رب العزت فرماتے ہیں[اَنَاعِنۡدَظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ] ”میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق عمل کرتاہوں“ توجب ہم گمان لے کر بیٹھے ہمارادل اللہ اللہ اللہ کہہ رہا ہےتواللہ رب العزت تھوڑے عرصے میں اس کوکہلوادیتے ہیں اب سوال یہ پیداہوتا ہے کہ دل کیسے کہتا ہے بھئی قیامت کے دن انسان کی رانیں بولیں گی انسان کے اعضاء بولیں گے جوپروردگارقیامت میں اعضاءکوبلوائے گاوہ دنیامیں دل کونہیں بلواسکتاتودل کابولناکونسامسئلہ ہے؟ بس اتنا ہے کہ اللہ تعالی نے دل کی فریکوینسی کوبندہ کے ساتھ میچ کردیاکہ اس دل کاذکربس کرنے والاہی سن سکتا ہےاوران ظاہر کے کانوں سے نہیں سنتادل ذکر کرتا ہے دل اپنے کانوں سے سنتا ہےان کانوں سے ذکرنہیں سناجاسکتادل ہی ذکرکرتا ہےاوردل ہی اس کاادراک کرتا ہےتواس لئے اب اس چیزکوسمجھنا آسان ہوگیا کہ جب ہم کہتے ہیں کہ قلب جاری ہوگیااس کاکیامطلب؟ توقلب جاری ہونے کامطلب یہ ہوتا ہے کہ جب انسان یوں مراقبہ کرتا ہے کہ دل اللہ اللہ کہہ رہا ہےتوکیاہوتا ہے کہ شروع میں اس کواپنے دل میں ایک ہلکی سی حرکت سی محسوس ہوتی ہے کچھ لوگوں کوشروع شروع میں سینہ میں تکلیف ہوتی ہے جومراقبہ کرتے ہیں نئے نئے لوگ وہ کہتے ہیں جی ہمیں دل میں کچھ دردسی محسوس ہوتی ہے وہ ایساہی ہے کہ جیسے پرندہ کسی پنجرے میں بندہواوروہ نکلناچاہےتوپھڑپھڑاتا ہے بالکل یہاں بھی ایک پرندہ بندتھا۔

مشائخ کاقول

مشائخ نقشبند نے فرمایا کہ یہ جوپانچ لطائف ہیں، ہرلطیفہ میں روح کااپنا

ایک حصہ ہے یعنی جس کو ہم دل کہتے ہیں اس سے مراد مضغہ (لوتھڑا) نہیں ہے کیوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مؤمن کا دل منور اور فاسق کا دل سیاہ لیکن اگر مؤمن ہو کمزور اور فاسق ہو صحتمند اور اس دل کو نکال کر دیکھیں تو دیکھنے میں فاسق کا دل زیادہ تازہ نظر آئے گا تو معلوم ہوا اس سے یہ مراد نہیں ہے اس سے مراد کچھ اور ہے، کیا مراد ہے؟ اب ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حدیث قدسی کہ انسانوں کا دل [بَیْنَ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ] رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں [یُقَلِّبُهَا کَیْفَ یَشَاءُ] اللہ جیسے چاہتا ہے ان کو بدل دیتا ہے تو ہمارے مشائخ نے کہا کہ اصل جس طرح روح اوپر سے آئی ہے تو روح ایک چیز نہیں ہے یہ باجماعت سی چیز ہے، جس کی حقیقت ہے، اس روح کے اندر یوں سمجھ لیں کہ چھوٹی چھوٹی پانچ روحیں پانچ لطیفوں کی اور ہیں، وہ روح آئی جسم میں چھائی اور پانچ جگہوں پر اس کا خاص تعلق بن گیا اب یہ جو لطائف ہیں اب ان کی بھی اصل اوپر عالم امر میں ہے، اللہ تعالیٰ جو فرماتے ہیں کہ میری دو انگلیوں کے درمیان ہیں تو وہ جو عالم امر میں ہے وہ دو انگلیوں کے درمیان ہے ادھر پھیرتے ہیں یہ خود بخود پھر جاتا ہے اس لئے کہ یہ سایہ ہے وہ اصل ہے۔

ہر چیز اصل کی طرف لوٹتی ہے

اب دستور یہ ہے کہ جب بھی انسان ذکر کرے گا تو ذکر کی برکت سے اس کے دل کے لطیفہ کا دروازہ کھلے گا یہ جو مشائخ لطیفہ پر اللہ اللہ کرنے کو کہتے ہیں تو اس کے بعد انسان کے لطیفہ کا دروازہ کھلتا ہے، محنت سے اور اس کی جو روح ہے وہ اپنے اصل کی طرف جاتی ہے، کیوں؟ کہ [كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ] ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے، یہ دستور ہے تو یہ جو اندر کی روح ہے لطیفہ قلب کی یہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے، جب یہ اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو چونکہ یہ دل اس کا سایہ ہوا یہ اصل ہوئی تو پھر اس کی وجہ سے انسان کا قلب ایک

حرکت محسوس کرتا ہے اس منتقل ہونے کی وجہ سے اس حرکت کو "تحرک" کہتے ہیں یہ تحرک جو ہے کافی تیز ہوتا ہے، جیسے کہ کوئی چیز بالکل تیز حرکت کر رہی ہوتی ہے ایک ہے دل کی دھڑکن کہ انسان کا جو دل ہے وہ پچھتر دفعہ یا اسی دفعہ خون کو پمپ کر رہا ہے وہ جو آواز آتی ہے لُب ڈُب لُب ڈُب وہ اپنا کام کر رہا ہے یہ تو ہو گیا اس کی دھڑکن یہ ذرا آہستہ ہوتی ہے اور یہ جو انسان کا لطیفہ ہے جو اسکا باطن ہے یہ بہت تیزی سے حرکت کرتا ہے اس کی جو حرکت ہے وہ بہت تیز ہوتی ہے اگر اس کو سمجھنا ہو تو آپ کبھی بس میں بیٹھیں جس کو اسٹارٹ کرنے کے بعد کھڑا کر دیا گیا ہو تو بیٹھے بیٹھے ارتعاش محسوس کریں گے، یہ ارتعاش کیا ہے یہ بالکل اسی لطیفہ قلب کی حرکت کی طرح ہوتا ہے تو انسان خود بخود اپنے دل میں ایک تیز حرکت سی محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے، تو جب انسان کا قلب جاری ہوتا ہے تو انسان اپنے بدن میں بھی ارتعاش سا محسوس کرتا ہے اور کئی مرتبہ وہ اپنے آنکھوں کے سامنے ارتعاش سا محسوس کرتا ہے اس کو تحرک کہتے ہیں اور عام زبان میں کہتے ہیں جی اس کا دل جاری ہو گیا کیوں کہ دل نے حرکت محسوس کرنا شروع کر دی حرکت کا ادراک شروع ہو گیا یہ پہلا قدم ہے۔

یہ بہت ہی لذیذ کیفیت ہوتی ہے تکلیف دہ نہیں ہوتی اگر بندے کا جسم گدگداو تو مزہ آتا ہے اور اگر دل گدگداو تو مزہ زیادہ آنا چاہئے، تو یہ بھی دل گدگدا جاتا ہے لہذا بندے کو ایک عجیب سی لذت محسوس ہوتی ہے، کئی دفعہ بیٹھا رہتا ہے اس کو کیفیت محسوس ہوتی ہے کئی دفعہ لیٹا ہے تو لیٹا رہنے کو دل کرتا ہے عجیب سی بندے کی کیفیت ہوتی ہے اس کا دل کرتا ہے بس مجھے بیٹھے رہنے دو اس کا دل کرتا ہے مجھے کوئی نہ چھیڑے اب یہ لذت جو اس کو محسوس ہوتی ہے یہ دنیا کے کھانے پینے جماع کی لذتوں سے زیادہ عجیب لذت ہوتی ہے یہ دل کی لذت ہے جسم کے اعضاء سے دل اہم اور دل کی لذت باقی اعضاء کی لذتوں سے اہم ہے، تو انسان کو یہ کیفیت محسوس ہونی شروع ہو جاتی ہے اور انسان کا لطیفہ اوپر کی طرف سفر

کرتا ہے اب جب وہ اوپر کی طرف جائے گا یہ کیفیت ہوتی جائے گی۔
پھر کیا ہوتا ہے کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ لطیفہ اپنی اصل یعنی عالم امر میں پہنچ جاتا ہے اپنی اصل کے ساتھ واصل ہوجاتا ہے، اب اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کے اوپر گناہوں کے اثرات آئے تھے لیکن اوپر کا عالم تو منور ہوتا ہے جب یہ روح آئی تھی تو اس وقت بھی اس کے اوپر اثرات نہیں تھے گناہوں کی ظلمت نہیں تھی پاک تھی دنیا میں چونکہ رہی جسم کے ساتھ تو جسم کی وجہ سے برے اعمال کے اثرات اس پر پڑے اب یہ واپس گئی اور اپنی اصل کے ساتھ واصل ہوئی تو وہاں کے نور کی وجہ سے اس پر نور کی کوٹنگ ہوجاتی ہے، اس کوٹنگ کے بعد پھر یہ لطیفہ واپس اپنے اسی گھر کی طرف آتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو اپنے اسی جسم کی طرف واپس لوٹ آتا ہے اس جسم میں واپس لوٹنے سے اب اس کے اندر ایک ذکر کی کیفیت آجاتی ہے کیوں اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَايَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَايَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَايَفْتُرُوْنَ﴾ اب یہ چونکہ اُس عالم کو دیکھ کر آیا لہذا اس عالم کی اس کیفیت کو ساتھ لے کر آیا اب یہ رہائشی یہاں کا تھا صفت وہاں کی لے کر آگیا سیر جو وہاں سے کر کے آیا اسلئے اب جب یہ واپس آتا ہے تو ایسا ذاکر بنتا ہے کہ غفلت کا نام ونشان نہیں رہتا اللہ کہہ رہے ہیں ﴿وَلَايَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَايَفْتُرُوْنَ﴾ اسمیں افطار ہے ہی نہیں ہر وقت اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔

سیور اربعہ

لہذا ہمارے بزرگوں نے اس کو سمجھانے کی خاطر یہ جو لطیفہ کا اوپر جانا تھا اس کا نام رکھا
''سیر الی اللہ'' جب لطیفہ اپنی اصل کے ساتھ وہاں واصل ہوا تو اس کا نام انہوں نے رکھ دیا

''سیر فی اللہ'' جب لطیفہ وہاں سے لوٹ کر آیا تو انہوں نے نام رکھ دیا
''سیر من اللہ'' اور جب اپنے گھر آگیا تو انہوں نے اس کا نام رکھا
''سیر فی الاشیاء''
تو ان کو سیور اربعہ کہتے ہیں کتنا آسان ہے اس کو سمجھنا، اسلئے کہتے ہیں معرفت الٰہی کا راستہ سیور اربعہ کے اوپر منحصر ہے

(۱)......سیر الی اللہ
(۲)......سیر فی اللہ
(۳)......سیر من اللہ
(۴)......اور سیر فی الاشیاء، چار سیروں میں بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ چار قدم ہیں، چار قدم کہہ لیں چار سیریں کہہ لیں لیکن سیور اربعہ کا نام کتابوں میں زیادہ لکھا ہے تو لطیفہ کا اپنی اصل سے نکلنا اصل کے ساتھ ہو جانا واصل ہو کر پھر واپس آنا ذاکر بن کر منور ہو کر تو اسطرح انہوں نے چار سیروں کے ساتھ تشبیہ دی۔

عروج نزول فنا وبقاء

بعض مشائخ نے اس کے لئے کچھ اور لفظ استعمال کرلئے انہوں نے یہ جو سیر الی اللہ تھی اس کو ''عروج'' یہ سیر الی اللہ کا دوسرا نام ہے اور جو سیر فی اللہ تھی انہوں نے اس کا نام رکھا ''فنا'' اور جو سیر من اللہ تھی اس کا نام انہوں نے ''نزول'' رکھا، اور جو سیر فی الاشیاء تھی اس کا نام انہوں نے ''بقا'' رکھ دیا تو اب آپ چاہیں تو وہ لفظ استعمال کریں یا یہ کریں،
لہذا مشائخ نقشبند کے یہاں سیور اربعہ میں سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر من اللہ، اور سیر فی الاشیاء کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں
اور اگر دیگر مشائخ کے یہاں فنا، بقا، عروج اور نزول کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ کئی جگہوں پر آتا ہے کہ لطیفہ نے عروج کیا تو جب لکھ دیں کہ

لطیفہ نے عروج کیا تو آپ کیا سمجھیں گے کہ اِدھر سے نکل کر عارضی گھر سے اپنی اصل کی طرف لوٹا اور جب کہیں کہ لطیفہ نے نزول کیا تو اس سے کیا مراد؟ کہ اصل سے واپس اِس گھر کی طرف آیا، جب فنا کہیں تو اس سے مراد اپنی اصل کے ساتھ واصل ہوا اور جب بقا کہیں تو چونکہ آ کے اس نے زندگی تو یہاں گذارنی ہے اللہ کی یاد کے ساتھ، لہذا اس کو بقا کے نام سے موسوم کر دیا۔

الفانی لایرد کا کیا مطلب؟

ہمارے پانچوں لطائف باری باری اسی طرح اپنی اصل کے ساتھ فنا حاصل کرتے ہیں جو لطیفہ اپنی اصل کے ساتھ فنا پا لیتا ہے وہی ذاکر ہو جاتا ہے پہلے قلب ذاکر بنتا ہے، پھر روح بنتی ہے، پھر سر، پھر خفی، پھر اخفی، پانچوں کے پانچوں لطائف جو ہیں یہ انسان کے اپنی اصل کے ساتھ واصل ہو کر ذاکر ہو جاتے ہیں جب پانچوں واصل ہو جاتے ہیں پھر انسان کے اندر ذکر ایسی جڑ پکڑ لیتا ہے

بھلانا بھی چاہو بھلا نہیں سکو گے

اسلئے ہمارے بزرگوں نے کہا **الفانی لایرد** کہ فانی لوٹتا نہیں، کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا ذاکر بن جاتا ہے کہ اب وہ غافل ہو ہی نہیں سکتا۔

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

یہ ایسی نعمت ہے اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جی یہ کیوں کہا کہ **الفانی لایرد** کہ فانی لوٹ نہیں سکتا، ہمارے مشائخ نے اس کو یوں سمجھایا انہوں نے کہا اچھا جی یہ بتاؤ کہ اگر کوئی پھل پک جائے تو کیا اس کے بعد وہ کچا ہو سکتا ہے؟ سنا کبھی کہ پکنے کے بعد کچا ہو جائے، اور اگر کوئی نوجوان بالغ ہو جائے تو پھر اس کے بعد نابالغ ہو سکتا ہے، بس یہی ہے الفانی لایرد کا مطلب تو ذکر میں وہ ایسا پختہ ہو جاتا ہے کہ اب شیطان کے حملے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

شیطان کے حملوں سے کون بچتا ہے؟

مشائخ نقشبند نے ایک بات کہی کہ جو بندہ فنائے قلبی حاصل کر لیتا ہے وہ شیطان کے حملوں سے اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے، وہ جو اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم گمراہ تو کرو گے مگر میرے وہ بندے جو مخلص ہیں **﴿اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡھُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ﴾ ﴿اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡھِمۡ سُلۡطَانٌ﴾** امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جب لطیفہ اپنی فنا بقا کو پا لیتا ہے تو انسان اللہ کے ان بندوں کے اندر شامل ہو جاتا ہے اسلئے امام ربانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو چاہئے کہ محنت کر کے فنائے قلبی تو ضرور حاصل کر لے تا کہ انجام کا اچھا ہونا پختہ ہو جائے۔

ایک سوال

اچھا یہاں پر ایک سوال کہ یوں جو کہا گیا کہ **﴿اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡھِمۡ سُلۡطَانٌ﴾** میرے بندوں پر تیرا کوئی داؤ نہیں چلے گا تو کیا وہ فرشتے بن جائیں گے؟ پھر کیا مطلب ہوا اس کا؟ مطلب یہ کہ اب اس بندے سے ایسا کوئی گناہ نہیں ہو سکتا جو اللہ کی نظر میں نا قابل معافی ہو، یہ ہر اس گناہ سے محفوظ ہو گیا جو اللہ کی نظر میں نا قابل معافی ہے، ہاں معافی کے قابل گناہ ہو بھی سکتے ہیں اور اللہ ان کو بخش بھی دے گا انسان ہے فرشتہ تو نہیں بنا، لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کرے اور اگر ہو بھی جائے تو قابل معافی ہی ہو گا، ایسا کوئی گناہ نہیں کرے گا جو اللہ کے یہاں نا قابل معافی ہو اسلئے فرمایا کہ یہ میرے وہ بندے ہیں کہ تیرا داؤ ان پر نہیں چل سکتا، تو ان کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتا وہ گناہ بھی کر بیٹھیں گے وہ مجھے منائیں گے رو دھو کر اور جب تک منائیں گے نہیں ان کو چین ہی نہیں آئے گا، میری ایسی محبت ان کے دل میں جڑ پکڑ جائے گی۔

غفلت ناممکن

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس موقع پر عجیب بات لکھتے ہیں فرماتے ہیں ایسے

بندے کو جس کو فنائے کامل مل گئی اگر اس کو ایک ہزار سال کی عمر دی جائے اور ایک ہزار سال وہ کوشش کرے کہ میں اللہ کو بھول جاؤں وہ اللہ کو بھول نہیں سکتا ایسی اللہ کی یاد اسکے دل میں جو ہے جڑ پکڑ جاتی ہے سبحان اللہ کیا نعمت ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

گو میں رہا رہین ستمہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

مجدد صاحبؒ کا قول

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس فنائیت اور بقائیت کے حاصل ہونے کے بعد اب اگر تفرقہ اس بندے پر ہوتا ہے تو ظاہر میں ہوتا ہے باطن میں نہیں اب یہ باطن اللہ کے یہاں سکہ بند چیز بن گئی ،تو اسکو کہتے ہیں ذکر قلبی قلب کا جاری ہونا قلب کا اللہ اللہ اللہ کہنا، ذکر قلبی بھی اسے کہتے ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ تھے خواجہ عبید اللہ احرارؒ وہ فرماتے تھے کہ تین مواقع ایسے آتے ہیں کہ جس پر فرشتے مؤمن سے حیران ہوتے ہیں متعجب ہوتے ہیں فرماتے تھے

...... پہلا موقع کہ جب ان کے اعمال دیکھتے ہیں کہ کتنے خلوص سے انہوں نے کئے ہیں پھر اس کے اجر کو دیکھتے ہیں تو فرشتے لکھنے والے کراما کاتبین متعجب ہوتے ہیں، کہتے ہیں کیا بات ہے! اس بندے کے پیچھے شیطان ہے اس کے پیچھے نفس خبیث ہے لیکن یہ دونوں سے بچ بچا کے اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کی محبت میں ڈوب کر عمل کر رہا ہے کہ اسکے اتنے عمل پہ ہیرے اور موتیوں کا بھاؤ لگ رہا ہے تو کہتے ہیں کہ کراما کاتبین جب ان ک اعمال کا اجر دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔

......دوسرا فرمایا کرتے تھے کہ جب ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے

لئے آتے ہیں تو ملک الموت ان کی روح کو قبض کرتے ہوئے گھبراتے ہیں کہ کہیں اس بندے کی بے ادبی نہ ہوجائے یہ اللہ کا اتنا پیارا ہے مجھ سے کوئی بے ادبی نہ ہوجائے فرماتے ہیں کہ جیسے ہیرا پکڑتے وقت قیمتی ہونے کی وجہ سے اٹھانے والے کے ہاتھ میں ارتعاش سا ہوتا ہے ایک عجیب کیفیت سی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ ان کی روح قبض کرتے ہوئے ملک الموت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ یہ اللہ کا اتنا پیارا بندہ ہے ایسے اعمال کئے ہیں۔

......اور تیسرا فرمایا کرتے تھے کہ جب قبر میں منکر نکیر آتے ہیں سوال پوچھنے کے لئے تو گو وہ سوال پوچھتے ہیں مگر مؤمن کے اعمال اور اس کے اور اللہ کے تعلق کی وجہ سے ان کی عظمت سے خائف ہو رہے ہوتے ہیں ہیبت زدہ ہو رہے ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں ذکر قلبی نصیب فرمائے اور غفلت بھری زندگی سے نجات عطا فرمائے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

راہ سلوک میں کرامت کی حقیقت

از افادات

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

فہرست عناوین

اللہ اللہ اللہ

اقتباس

ہمارے بزرگوں نے اسی لئے یہ کہا کہ کرامات
اکثر و بیشتر راستے کے راہیوں سے صادر ہوتی ہیں اسی لئے
کرامات فضیلت کا معیار نہیں، بلکہ نقص کی علامت ہوتی ہیں۔
لہذا اللہ والے اپنی کرامات کو چھپاتے ہیں جس طرح ہم لوگ
اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں، کس لئے چھپاتے ہیں؟ اسلئے کہ ان کو پتہ
ہوتا ہے کہ ہمارا معاملہ ابھی مکمل نہیں ہوا یہ ہمارا نقص ہے۔

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا پیر
حافظ ذوالفقار احمد صاحب
نقشبندی مجددی زید مجدہ

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد !

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ☆ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ رب العزت نے انسان کو چند لطائف سے نوازا ہے جن کی جگہ انسان کے سینے کے اندر ہے یہ وہ جگہیں ہیں جہاں پر انسان ذکر کرنے کے لئے بیٹھے تو تھوڑے عرصے میں اس کو ذکر کا ادراک ہوسکتا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ریڈیو ہوتا ہے، تو اس کی اسکرین کے اوپر تھوڑے تھوڑے فاصلے کے اوپر مختلف اسٹیشن کی نشاندہی ہوتی ہیں ایک جگہ سوئی ٹکاؤ تو آپ کو مکہ مکرمہ کی ریڈیو سے قرأت کی آواز آئے گی، تھوڑا آگے چلو تو آپ کو ہوسکتا ہے کسی اور ملک کی آواز سنائی دے، بالکل اسی طرح ہمارے سینے میں پانچ ایسی جگہیں ہیں جہاں سے ریڈیو کی مانند اللہ کے ذکر کی اشاعت ہو رہی ہے لہذا ہم اسکو سن سکتے ہیں اگر ہمیں اپنی سوئی کو اٹکانا آجائے۔

ہمیں یاد ہے ایک مرتبہ کچھ حالات تھے کسی نے کہا کہ بی بی سی کی خبریں سنیں، وہاں بہت سارے علماء تھے لیکن کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ ریڈیو پر کس جگہ بی بی سی کا پروگرام نشر ہوتا ہے، کوئی سوئی کو اِدھر لے جاتا کوئی اُدھر لے جاتا وہ بھاگتی ہوئی چلی جاتی، پانچ منٹ ان کے اسمیں لگ گئے قدرتاً ایک بندہ ایسا تھا جو واقف تھا کہتا ہے جی لاؤ میں لگا دیتا ہوں اس نے ریڈیو ہاتھ میں پکڑ کر تھوڑا سا

سوئی کو گھمایا وہ بولنا شروع ہوگیا، تو میں نے اس وقت بھی اپنے دوستوں کو یہ بات سمجھائی کہ دیکھو جس کی مشق تھی اس نے فورا اپنی سوئی کو اس جگہ پر پہنچا دیا جہاں آواز آنی شروع ہوگئی، یہی سالک کا کام ہے کہ پانچ لطائف ہیں وہ مشق کے ذریعہ ان جگہوں پر توجہ کی سوئی کو اٹکانا سمجھ لیتا ہے وہ جیسے ہی ذرا توجہ کرتا ہے اس کو اللہ اللہ کی آواز آنی شروع ہو جاتی ہے، عام آدمی چونکہ محنت نہیں کرتا اس کو وہ ذکر کی کیفیت محسوس نہیں ہوتی۔

سلطان الاذکار

ایک ہے کہ دل کا ذکر کرنا ایک ہے پورے وجود کا ذکر کرنا تو یہ عام لوگوں کے لئے بات ہے کہ دل ذکر کرتا ہے سالکین کے لئے نہیں ہے سالکین کے لئے تو یہ ہے کہ جسم کا رواں رواں اللہ رب العزت کا ذکر کرتا ہے، چنانچہ سلطان الاذکار جو سبق ہے مشائخ اس کی نشاندہی سر کے اوپر کرتے ہیں لیکن اس میں پورا بدن انسان کا ذکر کرتا ہے، جب ہمارے حضرتؒ نے یہ سبق دیا تو اس وقت فرمایا کہ تم جسم کے جس عضو کی طرف توجہ کروگے تمہیں ذکر سنائی دے گا ہاں اپنے پوشیدہ اعضاء کی طرف دھیان نہ کرنا یہ ادب کے خلاف ہے، منع فرمادیا، اس ذکر کا عجیب مزہ ہے کہ آپ کو کبھی بازو پھڑکتا محسوس ہوتا ہے، کبھی پیٹھ سے گوشت پھڑکتا محسوس ہوتا ہے کبھی ران کا گوشت پھڑکتا محسوس ہوتا ہے، پورے جسم کے اوپر ذکر کے اثرات ہوتے ہیں، تو گویا سالک کے اوپر ایک ایسا وقت آتا ہے اس کا پورا وجود ذکر کرتا ہے، صرف قلب کی بات نہیں ہے وہ تو ابتداء ہے کمال تو یہ ہے کہ پورا وجود ذکر کررہا ہوتا ہے، رواں رواں ذکر کررہا ہوتا ہے، بلکہ سالکین کو پھر تو اللہ تعالیٰ ایسی نعمت دیدیتے ہیں ایسی بصیرت دیدیتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو ذکر کرتے محسوس کرتا ہے، ہوا ذکر کرتی محسوس ہوتی ہے، دیوار ذکر کرتی محسوس ہوتی ہے، درختوں کے پتے غرض جس چیز کی طرف دھیاد یں وہی ذکر کرتی ہے۔

حضرت خواجہ عبدالمالکؒ کا حال

حضرت خواجہ عبد المالک صدیقیؒ فرماتے تھے کہ میرے اوپر ایسا وقت آیا کہ میں مٹی سے استنجا نہیں کرسکتا تھا میں مٹی کا ڈھیلا ہاتھ میں اٹھاتا تو وہ ذکر رہا ہوتا تو میں سوچ میں پڑتا کہ میں اس سے کیسے اپنی نجاست کو صاف کروں تو کئی دن میں مٹی استعمال ہی نہیں کرسکا بالآخر اپنے شیخ کی خدمت میں آیا اور رو پڑا حضرت میں تو مٹی استعمال کرنے والی نعمت سے محروم ہوگیا، کہتے ہیں یہ سن کر شیخ مسکرائے اور انکے مسکرانے میں سلبی توجہ تھی اللہ تعالیٰ نے وہ کیفیت مجھ سے دور فرمالی چنانچہ بزرگوں کو مٹی کے ڈھیر بھی ذکر کرتے محسوس ہوتے تھے سبحان اللہ تو یہ چیز سوچنا کہ جی اس طریقہ میں دل ذکر کرے گا یہ تو بہت ہی پرائمری کی بات ہے اس طریقہ میں تو انسان کا وجود بھی خود ذکر کرتا ہے، داخلی طور پر بھی اور خارجی طور پر بھی اس کو کائنات کی ہر چیز ذکر کرتی سنائی دیتی ہے وہ تو ذکر کے باغوں میں رہتا ہے،

سالک کے چار قدم

انسان کا جب قلب جاری ہوتا ہے تو لطیفہ اپنے قلب (مضغہ) سے نکل کر اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے کیوں جاتا ہے اپنی اصل کی طرف اسلئے کہ [كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ] ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اس کا اوپر جانے کا بعض بزرگوں نے نام رکھ دیا سیر الی اللہ پھر وہ اپنی اصل میں جا کر واصل ہوا اس کو کہہ دیا سیر فی اللہ پھر وہاں سے واپس آیا اس کو کہا سیر من اللہ اور پھر وہ اپنے اسی مضغہ میں واپس آگیا (گھر) میں تو اس کو کہا سیر فی الاشیاء تو یہ سیور اربعہ ہوگئیں اسی کا نام بزرگوں نے عروج، نزول، فنا، اور بقا، یہ چار رکھدیئے یہ چار قدم ہیں جو ہر بندے کو طے کرنے پڑتے ہیں اپنے لطائف کو منور کرنے کے لئے اس کے بغیر لطائف ذکر نہیں کرپاتے اللہ کے رنگ میں رنگنے کے لئے ان کو اصلی وطن جانا پڑتا ہے تب یہ (صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً) اللہ کے رنگ میں رنگتے ہیں۔

ایک سوال

سیر ایک دفعہ ہوتی ہے یا بار بار ہوتی ہے؟

سیر ایک مرتبہ ہوتی ہے اور اس دوران انسان کو بہت ساری چیزیں کشف سماعی، کشف بصری، کے طور پر ملتی رہتی ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ ریل کے اوپر لاہور سے کراچی کا سفر کریں تو دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ڈبے کی کھڑکیاں بند ہوں تو آپ دیکھ تو کچھ نہیں رہے لیکن سفر تو کر رہے ہیں لہذا بند کھڑکیوں کے باوجود کراچی پہنچ جائیں گے، اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کھڑکیاں کھلی ہوتی ہیں، کہیں دریا نظر آتا ہے تو کہیں کھیت نظر آتا ہے کہیں باغ نظر آتا ہے تماشا بھی ہو رہا ہے سفر بھی طے ہو رہا ہے، تو اس سیر کے دوران کئی مرتبہ بعض سالکین کو کشف مل جاتا ہے، جس کو نہیں ملتا اس کو بھی منزل مل جاتی ہے لیکن ایک مرتبہ یہ عروج اور نزول یہ بندہ کے ہر لطیفہ میں مکمل ہوتا ہے اس کے بعد اس کو آنا جانا بار بار کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں رہتا لیکن یہ عروج اور نزول ایک دفعہ ہونے سے ہی کام مکمل ہو جاتا ہے

سوال

سالک کو کیسے پتہ چلتا ہے کہ یہ کونسی کیفیت ہے؟ سالک کے شیخ کو پتہ چلتا ہے کہ اب اس کے اوپر کونسی کیفیت ہے جب وہ خود صاحب نسبت ہو جاتا ہے پھر اس کو اپنی کیفیت کا خود اندازہ ہو جاتا ہے۔

شیخ کے اوپر اعتماد

ابتداء میں شیخ کے اوپر اعتماد کرے اگر وہ سبق بڑھاتے جا رہے ہیں تو سمجھتا جائے کہ ہاں پچھلے سبق میرے اس سبق کے ضمن میں طے ہوتے جائیں گے ،آگے بڑھتا چلا جائے گا شیخ نے ہی چلانا ہوتا ہے یہ شیخ ہی کی بصیرت ہوتی ہے جو پہچانتی ہے یہ بندہ کس سبق پر ہے کتنا کر رہا ہے نہیں کر رہا، اسی لئے ہمارے

4

بزرگ فرماتے تھے کہ شیخ کو کوئی بندہ دھوکہ نہیں دے سکتا یہ ایسا راستہ ہے کوئی سمجھے کہ جی میں باتیں بنا لوں گا میں آکر اسٹوریاں سنا دوں گا ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ جو مرید ہوتا ہے چار سو بیس تو پیر ہوتا ہے آٹھ سو چالیس، یہ ایسا راستہ ہے اس میں کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، یہ بصیرت کا راستہ ہے بندے کی بات بتاتی ہے، بندے کا اٹھنا بیٹھنا چلنا ہر چیز بتاتی ہے کہ یہ کس اسٹیشن سے بول رہا ہے، یہاں تک بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ خواب سنا رہا ہے خواب کا ایک حصہ سنا رہا ہے باقی حصہ چھپا رہا ہے یہ بصیرت عجیب چیز ہے الحمدللہ اسی لئے ہمارے حضرت ایک عجیب بات کہہ دیا کرتے تھے ایک دن کوئی صاحب آئے ان کا کسی دوسرے کے ساتھ کچھ مسئلہ تھا کوئی تیسرا شخص حضرت کو کہنے لگا کہ حضرت وہ شخص آیا ہے آپ سے بات کرنے کیلئے، بس حضرت تو جلال میں آگئے فرمانے لگے میں اس پیر پر لعنت بھیجتا ہوں کہ مرید جس کے پاس آئے اور اسے یہ پتہ نہ چلے کہ یہ کس نیت کے ساتھ آیا ہے اللہ تعالی کھول دیتا ہے،

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ دن میں کئی دفعہ دعا مانگتے ہیں (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) تو یہ دعا اللہ کے یہاں قبول ہوتی ہے، لہذا اسیدھا رکھنے کے لئے اللہ تعالی مرید کے بارے میں سب سے زیادہ جو حالات کو کھولتے ہیں وہ شیخ کے اوپر کھولتے ہیں کیوں کہ وہ ذمہ دار ہوتا ہے سیدھا رکھنے کا تو یہ آپ کی اپنی مانگی ہوئی دعا ہوتی ہے کہ آپ شیخ کو دھوکا نہیں دے پاتے ،خود مانگا ہوتا ہے (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) اب گڑبڑ ہو ہی نہیں سکتی اپنی ہی مانگی ہوئی دعا، الحمدللہ کام آجاتی ہے۔

عروج اور فنا

چار سیریں ہم نے اچھی طرح سمجھ لیں سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر من اللہ، سیر فی الاشیاء، اچھا اس میں ایک نکتہ سمجھنے کی چیز ہے کہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف

ہیں انسان کی استعداد یں اللہ کی محبت حاصل کرنے میں مختلف ہیں۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

جب ان کو سیر اوپر کی طرف واقع ہوتی ہے تو اس عروج کے اندر کئی مرتبہ انکو ایک جیسا عروج نہیں ہوتا، مثال کے طور پر ایک کمرے میں عروج ہونا تھا تو کسی کو چھ انچ ہوا کسی کو ایک فٹ ہوا، کسی کو دو فٹ ہوا اور کسی کو چھت کے بالکل قریب ہوا، عروج تو سب کو ہوا عروج کے لفظ میں سب پورے لیکن عروج کے اندر آپس میں پھر فرق ہو گیا اسی طرح سالکین کو عروج تو ملتا ہے لیکن لطیفہ کے عروج کا تعلق بندے کے اخلاص اس کے تقوی اس کی محنت اسکی توجہ الی اللہ کے ساتھ ہوتا ہے، جتنی اللہ کے لئے قربانی زیادہ ہوگی اتنا عروج اونچا ہوگا محنت تھوڑی ہوگی تو عروج بھی تھوڑا ہوگا ہوگا مگر۔

اسی طرح فنائیت کی کیفیت کہ فنائیت کی کیفیت آتی ہے سالکین پر مگر بعض کے اوپر یہ کیفیت مہینوں رہتی ہے، ان کو گہری فنا ملتی ہے اور بعض پر چونکہ ان کی محنت تھوڑی ہوتی ہے مجاہدہ تھوڑا ہوتا ہے تو ان کے اوپر یہ کیفیت دو دن کے لئے ایک دن کے لئے دن کے کسی حصہ میں رہتی ہے، چنانچہ آپ محسوس کریں گے اگر آپ اس راستے میں چلتے ہیں کہ کبھی کوئی دن ایسا بھی آیا ہوگا کہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے چار گھنٹے آپ کے بہت مستی میں گذرے ہوں گے وہ جو مستی کے تھے وہ کسی لطیفہ کے فنا کا وقت تھا جس کو سالک خود نہ سمجھ سکا لیکن وہ فنا کا وقت تھا اور کئی لوگوں پر یہ ذرا لمبا وقت ہوتا ہے مہینوں گذرتے ہیں اس کیفیت میں لوگ اس فنا کی کیفیت میں مدتوں رہتے ہیں۔

مستہلکین کون؟

اب اس میں ایک نکتہ اور سمجھ لیجئے کہ بعض ایسے ہوتے ہیں اللہ کے چاہنے والے کہ جب ان کے لطیفے کو فنا ملتی ہے تو پھر ان کا لطیفہ فنا ہی میں گم ہو جاتا ہے

نزول ہی نہیں ہوتا ایسے بندے کو مستہلکین کہا جاتا ہے ان پر اللہ کی محبت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ بس وہ اللہ کی محبت میں مدہوش ہی ہو جاتے ہیں، ان کو پھر کسی کوئی غرض نہیں ہوتی بس اپنی انفرادی نماز پڑھ رہے ہیں، انفرادی تلاوت کر رہے ہیں، گم ہیں اللہ کی عبادت میں، ان کے اوپر ایسی کیفیت ہوتی ہے

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ
مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے
تیرے راز سے تیرے نام سے

لگے ہوتے ہیں اللہ کی یاد میں ایسے سالکین کم ہوتے ہیں یہ زیادہ نہیں ہوتے جو محبت الٰہی میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں، تو ان کو مشائخ نے مستھلکین کہا، کہ ان کا لطیفہ اوپر گیا اصل سے واصل ہوا چمٹ گیا وہیں ہے اسی میں ہی سیر ہو رہی ہے فنا فی اللہ کی کیفیت ہے چنانچہ ان کو مستھلکین کہا۔

راجعین کسے کہتے ہیں؟

اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جو فنا کی کیفیت سے مالا مال ہو کر واپس آتے ہیں اور اس جہان میں لوٹ آتے ہیں یہ جو لوٹ آتے ہیں ان کو راجعین کہا جاتا ہے تو دو طرح کے سالک ہوتے ہیں، کچھ ہوتے ہیں مستھلکین اور کچھ ہوتے ہیں راجعین۔

جو راجعین ہوتے ہیں وہ چونکہ اس دنیا میں واپس لوٹتے ہیں وہ شریعت کے پابند ہوتے ہیں ان کا ظاہر استقامت کے ساتھ شریعت کے اوپر عمل کر رہا ہوتا ہے اور جو مستھلکین ہوتے ہیں وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں شریعت کی پابندی وہ بھی کرتے ہیں ایسا نہیں کہ خلاف شرع کام کرتے ہیں لیکن مغلوب الحال ہوتے ہیں، نہ دعوت کا کام نہ امر بالمعروف نہ نہی عن المنکر واسطہ ہی نہیں کسی سے بس

مست بیٹھے ہوتے ہیں، اپنی تار جڑی ہوئی ہوتی ہے۔

نسبت قطبیت اور فردیت

راجعین صاحب استقامت ہوتے ہیں، شریعت پر چلنے والے، دعوت کا کام کرنے والے، اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلق رکھنے والے، ان میں قطبیت کی نسبت چلتی ہے، ''انمیں قطب ارشاد'' ہوتے ہیں، لہذا اللہ تعالی بندوں کی ہدایت کا کام انبیاء کے جانشین کے طور پر ان سے لیتے ہیں جو راجعین ہوتے ہیں۔

اور جو مستھلکین ہوتے ہیں وہ بس اللہ کی محبت میں گم ہوتے ہیں وہ فردیت کی لائن کہلاتی ہے۔

جو قطبیت کی لائن ہے ان کے بڑے کو قطب کہتے ہیں اور جو فردیت کی لائن ہے اسکے بڑے کو فرد کہتے ہیں۔

ایک سوال

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوا کہ افضل کون؟ فرد افضل ہے یا قطب افضل ہے؟ تو اس کا جواب ہے کہ

فضیلت ''قطب'' کے لئے اور شرافت ''فرد'' کے لئے ہے، فضیلت قطب کو حاصل حالانکہ فرد ہر وقت اللہ کی یاد میں سیر کر رہا ہے وہ زیادہ قریب ہے قرآن مجید میں اللہ فرماتے ہیں ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً﴾ اللہ نے مجاھدین کو قاعدین کے اوپر فضیلت عطا کی جو وہاں مستغرق ہو گئے یہ قاعدین اور جو لوٹ کر آئے نفس کے ساتھ مقابلہ کر کے شریعت کے اوپر چل کر زندگی گذار رہے ہیں یہ مجاھدین۔

تو فضیلت راجعین کے لئے ہے اور شرافت فرد کے لئے ہے۔

عروج کامل ونزول کامل

ہر سالک کے عروج اور نزول کے اندر تفاوت ہوتا ہے، لیکن ایک اصول ہے

کہ جتنا عروج کامل ہوگا اتنا ہی نزول کامل ہوگا یہ طے شدہ اصول ہے، جس کا عروج کم ہوگا اس کا نزول بھی کم ہوگا، اسلئے یہ جو کہتے ہیں کہ لطائف پر محنت کرو اور ڈٹ کر بیٹھو اور جم کر وقت لگاؤ وہ اسی لئے شیخ کہہ رہا ہوتا ہے کہ بھئی آپ کے لطیفہ کو عروج زیادہ ہو اسلئے کہ جتنا عروج زیادہ اتنی معرفت زیادہ کھلتی جاتی ہے، مثلاً جس کا عروج تھوڑا ہوا فرض کرو اس پر سو پوئنٹ معرفت کے کھلے، جس کا تھوڑا زیادہ ہوگا اس پر ایک سو پندرہ کھلے، تو جتنا عروج اونچا ہوتا جائے گا اللہ کی معرفت زیادہ کھلتی جائے گی، لہذا مشائخ یہ چاہتے ہیں کہ عروج میں کامل ہونا چاہئے جو بندہ عروج میں اگر کامل تو نزول میں بھی کامل ہوگا۔

یہ نزول اتنا کامل ہوجاتا ہے کہ دیکھنے میں ظاہراً ایک عام آدمی اور ایسے شیخ کے اندر کوئی فرق نظر نہیں آتا بالکل ایک جیسے نظر آتے ہیں کیوں؟ نزول کامل کی وجہ سے، جیسے ایک عام آدمی اسباب کے تحت زندگی گذار رہا ہے یہ بھی اسباب کے تحت زندگی گذار رہے ہیں، مگر ایک عام آدمی میں اور اِس سالک میں فرق یہ ہے کہ اُس عام آدمی کے کام نفس کی رضا کے لئے ہوتے ہیں اور اِس سالک کے کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتے ہیں، حالاں کہ بظاہر دونوں کی زندگی عام بندے کی طرح ہوتی ہے، اسی لئے تو کفار کو پریشانی ہوتی تھی، کہتے تھے [مَالِ هٰذَاالرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِيْ الْاَسْوَاقِ] یہ کیسے رسول ہیں کھانا کھاتے ہیں بازاروں میں چلتے ہیں یعنی ظاہری زندگی ایسی عام بندے جیسی تھی حتی کہ آپ ﷺ بیٹھے ہوتے تھے اپنے پیاروں کے ساتھ اور باہر سے آنے والا نو وارد بندہ پوچھتا تھا مَنْ مِّنْكُمْ مُحَمَّداً ؟ سوچیئے کتنا نزول کامل ہوگا انتہا ہے نزول کے کامل ہونے کی، کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تھا، سبحان اللہ! یہ کمال ہے کہ ظاہر ایسا ہو کہ کوئی پہچان ہی نہ سکے اور باطن میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

نکتہ کی بات

اب ایک اہم نکتہ جس کو عام سمجھنا ذرا مشکل ہوتا ہے،لیکن اب اس پس منظر کے ساتھ سمجھنا بہت آسان ہے،بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے لطیفہ کو عروج ہوتا ہے تو نزول کے وقت انکا نزول کامل نہیں ہوتا وہ عالم امر ہی میں کسی جگہ رک جاتے ہیں،عالم خلق میں نہیں آتے جن مشائخ کے لطائف عالم امر میں رک جاتے ہیں اکثر و بیشتر ان مشائخ سے کرامات زیادہ صادر ہوتی ہیں، کیا وجہ؟ اسلئے کہ لطیفہ عالم امر میں ہے اور عالم امر میں ساری توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے اسباب کی طرف سے توجہ ہٹی ہوئی ہوتی ہے،تو جب اسباب پر توجہ ہی نہیں ہوگی بلکہ مسبب الاسباب ہی پر ہوگی تو پھر ہر کام میں کرامت تو ظاہر ہوگی ہی،[اَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِیْ بِیْ]اللہ فرماتے ہیں میں تو گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں چوں کہ انکی نظر ہی مخلوق سے ہٹی ہوتی ہے،صرف خالق پر ہوتی ہے لہذا ہر معاملہ میں خوارقِ عادات ان سے ظاہر ہوتے ہیں۔

کرامت کی تعریف

خوارق عادات یعنی عادت کے خلاف کوئی کام ہونا جس کو کرامت کہتے ہیں
یہ کرامات دو طرح کے لوگوں سے صادر ہوتی ہیں،

(۱)......کاملین سے

(۲)......راہ سلوک کے ناقصین سے

اللہ تعالی اسلئے کاملین سے صادر کرواتے ہیں تا کہ مخلوق انکی طرف رجوع کرے اور وہ دین کا کام کریں ان کا فیض پھیلے،جیسے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زندگی میں کرامات ہی کرامات نظر آتی ہیں،اسی طرح بایزید بسطامیؒ،جنید بغدادیؒ کی زندگی بھی کرامات سے بھرپور نظر آتی ہے،تو ایسے حضرات جو کاملین تھے ان سے کرامات صادر ہوئیں ان کا منشا کیا تھا؟ تا کہ لوگوں کا رجوع ہو اور وہ اللہ کے

بندوں کو ہدایت کی لائن پر لائیں اسی لئے ایک سفر کرتے تھے اور لاکھوں لوگ ان سے کلمہ پڑھ لیا کرتے تھے،لوگوں کا ان کی طرف ایسا رجوع تھا،تو اللہ تعالی ان کے ہاتھ پر ایسے کام کروادیتے ہیں اگرچہ انکا نزول کامل ہوتا ہے،مگر اللہ ان کے ہاتھوں ایسے کام کروادیتے ہیں۔

اور کئی مرتبہ یہ کرامات ایسے سالکین سے صادر ہوتی ہیں جن کا نزول کامل نہیں ہوتا،ان کا لطیفہ عالم امر ہی میں اٹکا ہوتا ہے،ان سے کیوں صادر ہوتی ہیں؟ اسلئے کہ اس کی توجہ مخلوق کی طرف ہے ہی نہیں جس بندے کی توجہ ہی اللہ کی طرف ہے وہ تو پھر اسباب کی بجائے مسبب الاسباب کو دیکھے گا لہذا کرامات بھی اس سے صادر ہوں گی۔

......☆ جنید بغدادیؒ کے ایک مرید تھے ابوالحسن نوریؒ،دریا میں سفر کر رہے تھے،وہاں کچھ ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہے تھے مچھلی پکڑنے کے لئے،اب وہ جال ڈالتے اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑتے ابوالحسن نوری کو ذرا جوش آیا کہنے لگے لاؤ میں تمہارے لئے جال ڈالوں،چنانچہ انہوں نے جال ڈالا تو تقریبا ڈھائی من کی مچھلی جال میں آئی،کہنے لگے کیا سارا دن چھوٹی چھوٹی مچھلی پکڑنے میں لگے تھے،یہ لو اس کو لے جاؤ،اب یہ بات کسی نے حضرت جنید بغدادیؒ کو بتلا دی کہ جی ماہی گیر چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑ رہے تھے ابوالحسن نوری جوش میں آگئے اور کہا لاؤ میں جال ڈالتا ہوں اور انہوں نے ایک بڑی مچھلی پکڑی جو خلاف معمول بڑی تھی،یہ سن کر جنید بغداریؒ نے افسوس کیا اور یہ کہلوایا ابوالحسن نوری کاش کہ تم جال ڈالتے اور تمہارے جال میں کوئی سانپ آتا جو تمہیں ڈس لیتا یہ بہتر تھا کسی مچھلی کے آنے سے۔

ہمارے بزرگوں نے اسی لئے یہ کہا کہ کرامات اکثر و بیشتر راستے کے راہیوں سے صادر ہوتی ہیں اسی لئے کرامات فضیلت کا معیار نہیں،بلکہ نقص کی علامت ہوتی ہیں،لہذا اللہ والے اپنی کرامات کو چھپاتے ہیں جس طرح ہم لوگ اپنے

گناہوں کو چھپاتے ہیں، کس لئے چھپاتے ہیں؟ ااسلئے کہ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ ہمارا معاملہ ابھی مکمل نہیں ہوا یہ ہمارا نقص ہے۔

ناقص وکامل کی چند مثالیں

......(۱) ایک واقعہ سناتا ہوں تا کہ بات ذرا سمجھ میں آجائے حسن بصریؒ شیخ ہیں اور ان کے مرید حبیب عجمی ہیں، شیخ عالم ہیں، کامل ہیں، ان کا نزول کامل ہو چکا ہے، شریعت کے مطابق سو فیصد زندگی ہے، عارف باللہ ہیں بڑے قدر و منزلت والے ہیں،

اور حبیب عجمی اس راستے کے راہی ہیں ان کا نزول کا ملنہیں ہوا لطیفہ عالم امر میں ہی اٹک گیا ہے، اب حبیب عجمی کی نظر مسبب الاسباب پر ہے، اسباب کی طرف ہے ہی نہیں اور پیر صاحب کی نظر اسباب پر ہے اسلئے کہ عالم اسباب میں زندگی گذار رہے ہیں،ا

ایک بار حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے تھے کشتی کے انتظار میں حبیب عجمی آئے سلام کیا، پوچھا حضرت کیا حال ہے؟ بات چیت کی، اس کے بعد پوچھا حضرت کیسے کھڑے ہوئے ہیں؟ فرمایا بھئی کشتی کے انتظار میں ہوں، کشتی آئے گی تو دریا پار کروں گا، کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد حبیب عجمی نے کہا کہ حضرت مجھے ذرا جلدی جانا ہے میں جاتا ہوں یہ کہ کر حبیب عجمی نے پانی پر چلنا شروع کیا، شیخ کی آنکھوں کے سامنے یہاں تک کہ دریا پار کر گئے۔

اب اس واقعہ میں دیکھئے حبیب عجمی شاگرد ہیں پانی پر چل رہے، کیوں؟ ناقص ہیں، اور پیر صاحب کشتی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں کیوں؟ کامل ہیں اسباب کے پابند تھے۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے اس دنیا میں اسباب کی پابندی کریں میں نے ایک نظام بنایا ہے نظام کے مطابق چلیں۔

......(۲) حسن بصریؒ جا رہے تھے اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ حبیب عجمی اپنی صدری ایک جگہ ڈال کر کہیں چلے گئے اب وہ پڑی ہوئی ہے اور حضرت بڑے حیران ہیں کہ یہ دیوانہ اس کو پھینک کر کہاں چلا گیا؟ کوئی اٹھا کر نہ لے جائے لہذا وہاں کھڑے انتظار کرتے رہے کہ کہیں سے آجائے، کچھ دیر بعد حبیب عجمی بھی آگئے تو شیخ نے کہا حبیب یہ کس کے حوالے کر کے گئے تھے؟ کہتے ہیں حضرت اسی کے حوالے جس نے آپ کو حفاظت کے لئے کھڑا فرمادیا، اب دیکھئے کامل کون ہے؟ شیخ ہیں، مگر ظاہر کے حالات کیا بتا رہے ہیں کہ اللہ کی طرف نظر کس کی ہے؟ حبیب عجمی کی ہے، مگر ناقص ہیں، راستے کے راہی ہیں، ابھی ان کا سلوک پورا نہیں ہوا۔

......(۳) حسن بصریؒ کے پیچھے پولس لگ گئی، حسن بصریؒ بھاگے، پولس اسلئے لگی کہ لوگ ان کو قاضی بنانا چاہتے تھے اور وہ اس کو سردردی سمجھتے تھے کہ ہم نے دعوت کا کام کرنا ہے لوگوں کی اصلاح کا کام کرنا ہے ان سرکاری کھاتوں میں پھنس گئے تو ہم تو حکام ہی کی ہر وقت جی حضوری کرتے پھریں گے، اور ہمارے اکابر ایسی چیزوں سے دور بھاگتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ [مَنْ قُلِّدَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ] جس کو قاضی بنادیا گیا اس کو تو بغیر چھری کے ہی ذبح کر دیا گیا، لہذا حسن بصری کے گھر پولس آگئی جی آپ ہمارے ساتھ چلیں، وہ وہاں سے بھاگ نکلے حبیب عجمی کے گھر آئے اور فرمایا حبیب عجمی، پولس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے میں تمہارے کمرے میں چھپتا ہوں خبردار تم میرے بارے میں کسی کو مت بتانا، کہنے لگے جی بہت اچھا، اب تھوڑی دیر میں پولس آگئی پوچھا حبیب عجمی، حسن بصری کو دیکھا ہے؟ کہنے لگے ہاں میرے کمرے میں ہیں، پولس اندر گئی اب وہ سارے کمرے میں دیکھ رہی ہے ان کو حسن بصری نظر ہی نہیں آتے ایک پولس والا آیا اور آکر کہنے لگا تم ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو؟ کہنے لگے میرے سامنے گئے ہیں تمہیں نظر نہیں آتے تو میں کیا کروں؟ وہ چلے گئے، تھوڑی

دیر کے بعد حسن بصریؒ باہر نکلے فرمایا او حبیب تم نے پولس کو کہہ دیا تھا کہ کمرے میں گئے ہیں، عرض کیا حضرت کہہ تو دیا تھا لیکن انہوں نے کونسا آپ کو دیکھ لیا، دیکھئے ان کی اللہ کے اوپر نظر تھی کہ میرا مالک ان کی حفاظت کرے گا، تو ظاہر میں دیکھو تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیخ ناقص ہے اور مرید کامل ہے، لیکن حقیقتِ حال کیا ہے؟ شیخ کامل ہے اور مرید ناقص ہے، وہ راستے کا راہی ہے، اسی لئے ہمارے بزرگوں نے فرمایا اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ استقامت کو دیکھو، یہ معیار ہے اب ویسے اگر عربی کا میں فقرہ پڑھ کر سنا دیتا الاستقامۃ فوق الکرامۃ تو بات سمجھ میں نہیں آتی۔

تو کرامت کاملین سے بھی صادر ہوسکتی ہے کرامت راستے کے راہیوں سے بھی صادر ہوسکتی ہے، اسلئے کرامت کوئی فضیلت کا معیار نہیں فضیلت کا معیار تو استقامت ہے۔

کاملین کا عمل

اب ایک نکتہ اور عرض کروں چونکہ صحابہ کرام کا سلوک مکمل تھا نبی علیہ السلام کی صحبت بابرکت پانے کی وجہ سے ان کا نزول بھی مکمل تھا، لہذا حکایتِ صحابہ کو پڑھ کر دیکھیں تو صحابہ کی کرامتیں تھوڑی نظر آئیں گی اور تذکرۃ الاولیاء پڑھ کر دیکھیں اولیاء کی کرامتیں ڈھیر ساری نظر آئیں گی، یہ فرق اسی لئے ہوا کہ صحابہ کامل تھے انہوں نے استقامت کے ساتھ اسباب کی زندگی گذاری۔

چنانچہ نبی علیہ السلام میدان احد کے لئے تیار ہو رہے ہیں لوگ ایک ایک زرہ پہن رہے ہیں، اللہ کے نبی دو زرہ پہن رہے ہیں، سبحان اللہ، نزول کامل تھا، اسباب کی اتنی پابندی تھی اللہ کے بنے ہوئے نظام کا اتنا احترام تھا کہ تم لوگ ایک پہن لو میں دو پہنتا ہوں، اسلئے جو کاملیں ہوتے ہیں ہمیشہ ظاہر میں اسباب کے تحت زندگی گذارتے ہیں اور اس وجہ سے پھر عام بندے ان کو پہچان نہیں پاتے وہ گم ہوتے

ہیں لوگوں میں، پاس بیٹھ کر ایسا لگتا ہے جیسے کوئی عام سے آدمی ہیں وہ نہیں اندازہ لگا سکتے کہ ان کے باطن میں ایک لمحہ بھی غفلت نہیں آتی، یہ ہے فضیلت کا معیار۔

ایک عجیب واقعہ

ایک بزرگ تھے بابو جی عبداللہؒ مستجاب الدعوات تھے ہم نے خود تجربہ کیا آنکھوں سے خود مشاہدہ کیا ہم گواہ ہیں اسکے کہ وہ جو دعا مانگتے تھے کسی کے لئے وہ شرف قبول پاتی تھی، نبی علیہ السلام کی زیارت کے لئے دعا مانگتے تھے تو تین دن کے اندر اندر بندے کو زیارت ہو جاتی تھی، یہ ہم نے متعدد بار آزمایا ایک بار دو بار نہیں سینکڑوں بار آزمایا اور ہزاروں لوگوں نے آزمایا تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے گھر پر اکیلا تھا اور رات کو لائٹ چلی گئی تہجد میں اٹھنا تھا فرمانے لگے کہ رات کو بجلی چلی گئی میں بستر پر اٹھ بیٹھا اور میں نے دعا مانگی اے میرے آقا مجھے اپنے سامنے تہجد میں سجدہ کرنے کی نعمت سے محروم نہ فرما، روشنی ہے نہیں میں بیت الخلاء کیسے جاؤں؟ میں وضو کیسے کروں؟ روشنی چاہیئے، تو کہنے لگے میں نے دعا مانگی تو تھوڑی دیر کے بعد روشنی آ گئی میں سمجھا کہ پیچھے سے لائٹ آ گئی، مگر ہوا یہ تھا کہ بارش تھی آندھی تھی پیچھے لائٹ کے کھمبے ہی گر گئے تھے تو لائن ٹوٹی ہوئی تھی، فرماتے ہیں ایک دن اور ایک رات میں اس لائٹ کی روشنی میں گھر کے اندر رہا ایک دن رات گزرنے کے بعد الہام ہوا ''یہ اسباب کا عالم ہے اسباب کی پابندی ہم پسند کرتے ہیں'' کہتے ہیں پھر میں نے کسی کو بلا کر معاملہ دیکھنے بھیجا اس نے کہا جی پیچھے تار ٹوٹی ہوئی ہے تب میں نے تار جڑوائی اور تب میرے گھر کی لائٹ آئی، فرمایا ''ہم نے نظام بنایا نظام کے تحت زندگی گذارنا ہم پسند کرتے ہیں'' تو اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ.

اللہ رب العزت ہمیں بھی صاحب استقامت بنائے آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

ازافادات

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

فہرست عناوین

اللہ اللہ اللہ

اقتباس

خیالك فی عینی وذکرك فی فمی

ومثواك فی قلبی فاین تغیب

اے محبوب تیرا تصور میری آنکھوں میں اور تیرا تذکرہ میرے ہونٹوں پر اور تیری تصویر میرے دل میں تو بھلا مجھ سے کہاں دور ہوسکتا ہے، تو یہ ایک محبّ کی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اس کا جی چاہتا ہے کہ میں آنکھ بند کروں تو میرا محبوب نظر آئے اور آنکھ کھولوں تو محبوب نظر آئے

ایسا عشق ملے تیرا محبوبہ

جدھو وکھاں سامنے تو ہووے

انکھاں میٹاں تو سامنے تو ہووے

انکھاں کھولاں تو سامنے تو ہووے

آنکھ کھولوں تو تجھے دیکھوں آنکھ بند کروں تو تجھے دیکھوں تو یہ فطرت ہے عاشق کی دیکھنا چاہتا ہے اب یہ تو ممکن تب ہے کہ محبوب بھی بندوں کی طرح کوئی بندہ ہو کہ وہ پاس رہ سکتا ہے مل سکتا ہے، یہاں تو معاملہ اللہ کی ذات کا ہے۔

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی زید مجدہ

الحمدللّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد!

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم ☆ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دنیا کے محبوب کا حال

دنیا کی ایک ترتیب ہے کہ جب بندے کو کسی سے محبت ہو تو وہ اسے پانا چاہتا ہے محبت اس جذبہ کا نام ہے جس کو محبوب ہر قیمت پہ حاصل کرنا چاہتا ہے، کیونکہ محبوب کے بغیر انسان کا جی نہیں لگتا، انسان کو سکون نہیں آتا، بس اس کا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے محبوب کے ساتھ رہوں، تو محبت کے میدان میں محبّ ہر کوشش کرتا ہے کہ مجھے محبوب مل جائے وہ وصل چاہتا ہے، اسی لئے وصل کی گھڑیاں اس کو تھوڑی نظر آتی ہیں اور ہجر کی راتیں لمبی نظر آتی ہیں، یہ دستور ہے دنیا کا چنانچہ اس محبوب کو پانے کے لئے اسے چاہے جتنا مجاہدہ کرنا پڑے کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، ہمارے سامنے ایک اسٹوری ہے شیریں فرہاد کی کہ یہ صاحب پہاڑ کو توڑنے لگ گئے تھے کہ جی ہم پہاڑ کو توڑ کر اسمیں دودھ کی نہر نکال دیں گے تو لوگ اپنے محبوب سے وصل کرنے کی خاطر ہر کام کر گذرنے کو تیار ہوتے ہیں تمنا یہ ہوتی ہے کہ محبوب مل جائے اور اگر کسی وقت محبوب دور ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی یاد ہے ہمارے دل میں وہ سما گیا ہے ہمارے دماغ پہ وہ

چھا گیا ہے وہ کہتے ہیں دور بھی ہم ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ ہر وقت ہمارے قریب ہے ۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یہ فطرت ہے بندے کی عربی شاعر نے کہا

خيالك في عيني وذكرك في فمي
ومثواك في قلبي فاين تغيب

اے محبوب تیرا تصور میری آنکھوں میں اور تیرا تذکرہ میرے ہونٹوں پر اور تیری تصویر میرے دل میں تو بھلا مجھ سے کہاں دور ہو سکتا ہے، تو یہ ایک محبّ کی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اس کا جی چاہتا ہے کہ میں آنکھ بند کروں تو میرا محبوب نظر آئے اور آنکھ کھولوں تو محبوب نظر آئے

ایسا عشق ملے تیرا محبوبہ
جدھو وکھاں سامنے تو ہووے
انکھاں میٹاں تو سامنے تو ہووے
انکھاں کھولا تو سامنے تو ہووے

آنکھ کھولوں تو تجھے دیکھوں آنکھ بند کروں تو تجھے دیکھوں تو یہ فطرت ہے عاشق کی دیکھنا چاہتا ہے اب یہ تو ممکن تب ہے کہ محبوب بھی بندوں کی طرح کوئی بندہ ہو کہ وہ پاس رہ سکتا ہے مل سکتا ہے۔

عاشق حقیقی کیا کرے

اس راستے میں محبت اس پروردگار کے ساتھ ہے کہ جس کو انسان دیکھ ہی نہیں سکتا تو اب سالک کے لئے مشکل بن گئی، دل کا تقاضہ کیا اور آگے حقیقت حال کیا تو پھر وہ آرزو کرتا ہے

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

تمنا کرتا ہے کبھی موقعہ ملتا ہم بھی محبوب کے قدموں پہ سر رکھ دیتے، اب اللہ رب العزت کے عشق میں اللہ کو پانے کی کیفیت کونسی ہے؟ یہ ایک عجیب نکتہ ہے جس کو سمجھنا ضروری ہے چنانچہ ہمارے متقدمین حضرات فرماتے تھے کہ بھئی اتنا ذکر کرے کہ اپنے آپ کو بھی ذکر میں گم کردے اپنی ذات ہی مٹ جائے جیسا کہ پنجابی شاعر نے کہا

رانجا رانجا کردیاں میں آپ وی رانجا ہوئی

یہ بندے کی کیفیت ہو جائے، چنانچہ کیوں کہ وہ حضرات عشق کی لائن کے آدمی تھے ہمت والے لوگ تھے وہ اللہ تعالی کو اتنا یاد کرتے تھے کہ اللہ تعالی ان کے دل میں سما جاتا تھا آنکھوں میں آجاتا تھا بس ہر چیز نہیں وہی نظر آتی تھی جیسا کہ زلیخاں کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ دیا تھا اسے ہر چیز یوسف نظر آتی تھی محبت کی وجہ سے تو بندے کا بھی یہی حال ہوتا ہے اس عشق میں کہ اللہ رب العزت کی محبت اس پر چھا جاتی ہے اس کے دل میں آجاتی ہے تو بندے کو پھر ہر وقت اللہ کا دھیان اللہ کا خیال اسی کی یاد اسی کی سوچ اسی کی باتیں بس دل میں سمائی رہتی ہیں وہ بندہ اپنے آپ کو ہی اسی میں گم کر بیٹھتا ہے

اس کیفیت کو ''نسیان'' کہتے ہیں اپنا آپ ہی یاد نہیں ہوتا ہے تو فنائیت میں یہی کیفیت ہوتی ہے، چنانچہ ایک صاحب گئے ڈاکٹر کے پاس تو ڈاکٹر نے ہاتھ دیکھنے کے بعد پوچھا جی آپ کا نام؟ اب انہیں اپنا نام یاد نہیں اب سوچ رہے ہیں ڈاکٹر کو کیسے بتائیں کہ مجھے اپنا نام یاد نہیں کہتے ہیں میرا نام عبداللہ لکھ لو تو اپنا نام عبداللہ لکھوا کر آئے کہ غلط نام لکھوائیں تو بری بات ہے عبداللہ تو ہے اس طرح انسان کو یہ نسیان کی کیفیت ہوتی ہے بھول جاتا ہے

ماں ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

محبوب یاد رہ جاتا ہے اپنا آپ ہی درمیان میں سے گم ہو جاتا ہے، تو محبت میں سالک کے اوپر یہ کیفیت بھی آ جاتی ہے، چنانچہ جب اندر اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو باہر وہی کچھ نظر آتا ہے، یہ اصول یاد رکھیں جو انسان کے اندر ہوگا وہی چیز باہر ظاہر ہوگی، اندر گند بھرا ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں باہر بھی انہیں چیزوں کو دیکھتی ہیں اور اندر اگر یکسوئی ہوتی ہے تو باہر بھی یکسوئی ہوتی ہے، چنانچہ ایسا سالک وہ اپنے من میں بھی اللہ کو یاد کرتا ہے انفس میں بھی اللہ کو یاد کرتا ہے اور اسے آفاق میں بھی وہی کچھ نظر آتا ہے، ہمارے بزرگوں نے کہا کہ جی ہمیں درختوں پہ اللہ لکھا نظر آتا ہے، عجیب مضمون لکھے انہوں نے کہ پانی کی جھنکار میں اللہ، تو پانی کی رفتار میں اللہ، مرغزار میں اللہ، تو فلاں میں اللہ، انہوں نے باقاعدہ مضامین لکھے کہ ہمیں ہر چیز میں اپنا محبوب نظر آتا ہے اور ان پر کیفیت بھی ایسی ہوتی تھی اب جب کیفیت ایسی ہوتی تھی تو وہ کہتے تھے جی ہمیں تو ہر چیز میں اللہ نظر آتا ہے، لہذا ان مشائخ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ بس اللہ ہی اللہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے اور انہوں نے پھر اشعار بنائے

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

''ہمہ اوست'' اور ''توحید وجودی''

چنانچہ جب یہ کیفیت ہوئی تو ان حضرات نے یہ الفاظ کہنے شروع کر دئے کہ ''ہمہ اوست'' سب وہی ہے، ''ہمہ اوست'' سے کیا مراد؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ یہ کپڑا یہ بھی اللہ کا بنایا ہوا ہے مخلوق ہے یہ ہمیں اپنے خالق کی یاد دلاتا ہے ہر چیز کو دیکھ کر ہمیں وہی یاد آتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ماں فوت شدہ جوان بیٹے کے کمرے میں جائے تو ہر چیز کو دیکھ کر اسے اپنا بیٹا ہی یاد آتا ہے، تو کیفیت ایسی تھی کہ اللہ رب العزت کی محبت کا اتنا غلبہ ان کے دلوں پر تھا کہ انہیں ہر چیز اللہ کی طرف دھیان دلاتی تھی چنانچہ انہوں نے ''ہمہ اوست'' کہنا شروع کر دیا جب

اندر بھی ذکر اللہ اور باہر بھی آنکھیں اسی کو تلاش کر رہی ہیں تو خواب بھی اسی کے، خیال بھی اسی کے، چنانچہ ''ہمہ اوست'' کی ایک تھیوری چل پڑی اس کو لوگوں نے توحید وجودی بھی کہنا شروع کر دیا کہ بھئی اور کوئی نہیں بس وہی ہے غیر کی نفی کرو اور اللہ کا اثبات کرو چنانچہ مشائخ صوفیا میں بہت عرصہ یہ چیز زیر بحث رہی اس کو کہتے تھے ''ہمہ اوست'' اور ''توحید وجودی''۔

مشائخ نقشبند نے اس سے اختلاف فرمایا انہوں نے کہا کہ دیکھو دنیا کے محبوب کا پانا کچھ اور ہے اور اللہ رب العزت کا پانا کچھ اور ہے، ایک سا نہیں ہو سکتا، تم اسے دنیا کے محبوبوں پہ قیاس مت کرو مخلوق پہ اسے منطبق مت کرو اللہ، اللہ ہیں لہذا اس کا پانا کچھ اور ہے تو بحث چلی کہ اللہ کو پانا کیا ہے؟ اس پر اس امت میں سب سے بہترین کلام سیدنا صدیق اکبرؓ نے کیا۔

صدیق اکبرؓ کی دو باتیں

صدیق اکبرؓ کی کئی باتیں ہیں جو اس امت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، جن میں سے دو باتیں تصوف کی لائن کی بہت عجیب ہیں:

......(۱) ایک بات تو انہوں نے توحید کے بارے میں کی علماء امت متفق ہیں کہ اس سے اونچی بات اللہ کی عظمت کے بارے میں کوئی نہیں کر سکتا وہ کونسی بات؟ انہوں نے یہ کہا کہ(سُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِيْلاً اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَّعْرِفَتِهٖ)[پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے تک پہنچنے کے لئے عجز کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں بنایا] مشائخ امت نے کہا کہ توحید باری تعالی کے بارے میں اس سے بڑا کلام کوئی نہیں ہو سکتا ہے کہ جیسے اللہ تک پہنچنا ہوگا عاجزی کے راستے سے اگر جائے گا تو اللہ کو پائے گا ورنہ اللہ کو نہیں پا سکتا، اس کلام کو پڑھ کر کتنی اللہ کی عظمت سامنے آتی ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے تک پہنچنے کے لئے عاجزی کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں بنایا۔

......(۲) اور دوسرا کلام معرفت کے بارے میں ہے، اگر چہ امت کے بڑے

بڑے مشائخ نے عجیب وغریب کلام کئے، معرفت کی باتیں کیں، لیکن صدیق اکبرؓ کا کلام سب سے اونچا ہے، انہوں نے فرمایا کہ [اَلعِجزُعَن دَرکِ الذّاتِ اِدرَاکٌ] (اللہ رب العزت کے ادراک سے عاجز آجانا یہی اس کا ادراک ہے)

چنانچہ انہوں نے کہا کہ بھئی جب بندہ اللہ کی معرفت کو پاتے پاتے ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں اس کا دل کہتا ہے کہ میرے مولی تو میری پہنچ سے اونچا ہے، کہتے ہیں بس اب اس نے اللہ کو پالیا تو اللہ کا پانا یہی ہے کہ بندہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اسے پا نہیں سکتے [اَلعِجزُعَن دَرکِ الذّاتِ اِدرَاکٌ] کیا چند لفظوں میں بات سمیٹ کر رکھدی، وہ پروردگار اتنا بلند ہے اتنا بلند ہے کہ ہماری تمام کی تمام عبادتیں اور تعریفیں اللہ کی شان کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہیں اللہ اس سے بھی زیادہ اونچا ہے ہم اس کی شایان شان تعریفیں نہیں کر سکتے۔

یہ نہیں کہ وہ میری آنکھوں میں دل میں نظر آتا ہے یہ جو تم دیکھ رہے ہو یہ تو کچھ اور ہے۔

خواجہ بہاؤالدین بخاریؒ کا قول

چنانچہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے جو بزرگ تھے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ نے پھر اس معرفت کو کھولا، انہوں نے اس کو یوں کہا جو کچھ دیکھا گیا سنا گیا یا جانا گیا، یعنی علمی طور پر جس کو جان لیا گیا، دیکھا گیا یا سنا گیا سب اللہ کا غیر ہے کلمہ لا کے نیچے لا کر اس کی نفی کرنی چاہئے۔

بنیادی فرق

اب دوسرے جو متقدمین کے سلوک تھے انمیں اثبات کا معاملہ تھا اس میں بھی وہی نظر آتا ہے اِس میں بھی وہی، مشائخ نقشبند نے بالکل اور بات کردی انہوں نے کہا نہیں ہمارے یہاں نفی ہے اثبات نہیں ہے، نفی سے کیا مراد؟ انہوں نے کہا نفی سے مراد یہ ہے کہ تم جو دیکھتے ہو سنتے ہو سوچتے ہو جو تمہارے دائرۂ تخیل

میں آسکتا ہے، وہ خدا نہیں ہے وھو سبحانہ وتعالی وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء، اللہ اس سے بھی بلند ہے اس سے بھی بلند ہے اس سے بھی بلند ہے۔

حسین قصابؒ

چنانچہ مشائخ چشت میں ایک بزرگ گذرے ہیں حسین قصابؒ یہ جنید بغدادیؒ کے شیخ ثانی تھے جنید بغدادیؒ کے ماموں سری سقطیؒ ان کے شیخ اول تھے نسبت قطبیت انہوں نے اپنے ماموں سے پائی تھی پھر ان کی وفات کے بعد حسین قصابؒ سے تھوڑا اراستہ بنا تو فردیت کی نسبت ان سے ملی تو دونوں چیزوں کے وہ کامل بنے، حسین قصابؒ نے اپنا ایک مکاشفہ لکھا ہے جس میں وہ اسماء وصفات کا تذکرہ کرتے ہیں فرماتے ہیں،

ایک پہاڑ تھا اور سفر پہ جانے والا گھوڑے پہ سوار تھا انہوں نے استعارے میں باتیں کی ہیں گھوڑے سے مراد عشق کا گھوڑا کہ جانے والا بھی عشق کے گھوڑے پہ سوار تھا اور پہاڑ سے تشبیہ دی اسماء کو ان میں سے گذر کر ذات تک پہنچنا تھا تو وہ فرماتے ہیں کہ وہ عشق کے گھوڑے پہ سوار سرپٹ اس نے گھوڑا دوڑایا پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے ان سب پردوں سے گذر کر بالآخر پہاڑ کی چوٹی کے اوپر ایک خیمہ تھا خیمہ سے مراد انکی صفات باری تعالی تھی کہ اللہ تعالی کی ذات ہے اور ذات کے گرد صفات ہیں تو انہوں نے ذات کو تشبیہ دی خیمہ کے اندر سے اور خیمہ کے باہری حصہ کو تشبیہ دی صفات سے اور اسماء کی سیر کرتے ہوئے گئے جب اس کی نظر خیمہ پر پڑی تو اس نے سرمست ہو کر خیمہ کے اردگرد چکر لگائے اسلئے کہ وہ جانتا تھا کہ محبوب اس خیمہ کے اندر موجود ہے یہ انہوں نے استعارہ کے انداز میں اپنی معرفت بیان کی۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں یہ ساری داستان لکھ کر آخر پر فرمایا کہ حسین قصاب اگر ہزار سال بھی خیمہ کے گرد چکر لگا تا رہے تو بھی وہ محبوب کو نہیں پا سکتا اس لئے کہ محبوب خیمہ میں ہے ہی نہیں، پھر اس پر وہ فرماتے

ہیں کہ جو کچھ ہم مکاشفہ میں دیکھ سکتے ہیں تخیل میں دیکھ سکتے ہیں سوچ میں دیکھ
سکتے ہیں ہر چیز مخلوق ہوگی خالق نہیں ہوسکتی، خالق اس سے اونچا ہے تو سلوک
نقشبند کے اندر نفی کا پہلو زیادہ غالب ہے اور دوسرے سلاسل میں اثبات کا پہلو
غالب ہے، ایسا کیوں ہے؟ ایسا اسباق کی وجہ سے ہے۔

اسباق کی ترتیب

سلسلہءِ نقشبند کے علاوہ کے جو اسباق ہیں ان کی ترتیب ایسی ہے کہ وہ پہلے
لا الہ الا اللہ کا ذکر کراتے ہیں، یہ لا الہ الا اللہ کا ذکر جو ہے یہ جھاڑو کی طرح ہے
جب لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو دل سے جو ظلمت اور مٹی ہوتی ہے سب دور
ہوجاتی ہے دل صاف شفاف ہوجاتا ہے اسلئے وہاں بارہ تسبیح کرتے ہیں اور پاس
انفاس کرتے ہیں، ہر بیعت ہونے والے سالک کو پہلا کام یہی دیا جاتا ہے
نفی اثبات کا، یہ ایک اہم عمل ہے اور یہ اتنا اثر رکھتا ہے کہ یہ بندے کے باطن
کو بالکل گناہوں کی آلائیشوں سے دھوکر رکھ دیتا ہے پاک کر کے رکھ دیتا ہے،
جتنی صفائی بندے کو تہلیل سے حاصل ہوسکتی ہے اتنی صفائی کسی اور چیز سے نہیں
ہوسکتی یہ بنا ہی دلوں کو دھونے کے لئے ہے، چنانچہ وہ حضرات لا الہ الا اللہ کا ذکر
سکھاتے ہیں جب ایک آدمی اپنے نفس کو قابو کر لیتا ہے مجاہدوں کے ذریعہ سے
اور تہلیل کے ذریعہ سے اپنے دل کو صاف کر لیتا ہے تو اسکے بعد پھر وہ ذکر کرواتے
ہیں الا اللہ، الا اللہ کا، لا الہ سے نفی ہوگئی اب الا اللہ سے اثبات شروع ہوگیا اب
الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں حتی کہ جب الا اللہ کا ذکر کرتے کرتے اور ترقی کر جاتے
ہیں تو پھر اللہ اللہ کا ذکر شروع کر دیتے ہیں تو اب آپ دیکھیں پہلے انہوں
نے تہلیل سے کام لیا، دل کو صاف کر دیا، اس کے بعد الا اللہ اور اللہ کا جو ذکر کیا اور
مراقبے کئے اللہ اللہ والے تو دل کے اندر پھر کونسے اثرات آکر بیٹھ گئے؟ اثبات
کے، جب اندر اثبات ہوتا ہے تو باہر بھی وہی نظر آتا ہے کیونکہ اندر اللہ اللہ تھا وہی
اللہ اللہ باہر بھی دکھتا ہے، دل میں تلاش جس چیز کی ہوتی ہے اس کو باہر نظر بھی

وہی آتا ہے پھر اسے پانی کی رفتار میں اللہ، تو ہوا کی جھنکار میں اللہ، ستاروں کی
جھلملاہٹ میں اللہ چنانچہ انہیں ہر طرف اللہ اللہ اللہ نظر آتا ہے اسلئے ان مشائخ
نے جو کہا سچ کہا جھوٹ نہیں کہا وہ جو دیکھتے تھے وہی کہتے تھے وہ دیکھتے ہی ایسے
تھے ان کو پتوں میں اللہ نظر آتا تھا ان کو ہر چیز اللہ کی یاد دلاتی تھی لہذا انہوں نے
کہا ہمہ اوست، بس بات ختم، اندر بھی اللہ باہر بھی وہی نظر آیا تو ہمہ اوست کا ایک
سلسلہ چل پڑا بڑے کامل مشائخ تھے جنہوں نے یہ الفاظ کہے یہ سلسلہ چلتا رہا
توحید وجودی اور ہمہ اوست یہ ایک نظریہ مشائخ طریقت کے اندر قابل قبول رہا
اس زمانہ میں جو ذکر کرتا تھا یہی اس کی کیفیات ہوتی تھیں اور وہ اسی کے اوپر پکا
ہوجاتا تھا۔

متأخرین کا سلسلہ آگیا متأخرین کے سلسلے میں اللہ رب العزت نے ان مشائخ
کو جو اسباق کی ترتیب دی اور بتائی اور کھولی وہ الگ تھی وہ کیا تھی؟ انہوں نے
''اثبات'' سے شروع کیا انہوں نے کہا دیکھو بھئی تم تھوڑی دیر کے لئے ہر طرف
سے اپنا ذہن خالی کرلو نہ زمین، نہ انسان، نہ حیوان، نہ شیطان کچھ بھی نہیں ہے
بس اللہ کی رحمت آرہی ہے دل میں سما رہی ہے دل کی ظلمت اور سیاہی دور ہو رہی
ہے اور میرا دل کہہ رہا ہے؟ اللہ اللہ اللہ یہ اثبات ہے، چنانچہ ساری مخلوق سے توجہ
ہٹالی اور کدھر جمالی اللہ اللہ پر، تو اسباق کی ترتیب اس طرح پر ہوئی، چنانچہ
مشائخ نقشبند نے جب مراقبہ میں لطائف پر اللہ اللہ کرایا تو اس اللہ اللہ کے ذکر
کے اندر اللہ اللہ کا خیال پختہ ہوگیا، پھر مشائخ نے کہا کہ کو مخلوق سے توجہ ہٹ
گئی اللہ اللہ کے ذکر پہ جم گئی مگر ہماری یہ اللہ اللہ کی کیفیت بھی تو اللہ نہیں ہے، یہ
بھی تو غیر ہے انہوں نے کہا اس کو بھی مٹاؤ، کیسے مٹائیں؟ فرمایا تہلیل کے ذریعہ
سے اس کی نفی کردو، تو مشائخ نقشبند نے اس سلوک میں اللہ اللہ کے مراقبہ سے
کام شروع کروایا ساری مخلوق سے توڑ کر اللہ کی ذات پر اس کی توجہ کو جما دیا گیا
جب اچھی طرح توجہ اللہ پر جم گئی اب کہا گیا لا الہ کا ذکر کر کے اس کی نفی کردو کہ یہ

بھی مخلوق ہے تو ان کے یہاں مراقبہ پہلے اور تہلیل بعد میں، چنانچہ سات مراقبے کرنے کے بعد پھر تہلیل کا سبق آتا ہے، تو مشائخ نقشبند نے اثبات سے کام شروع کیا اور نفی پر ختم کیا اور دیگر مشائخ نے نفی سے شروع کیا اور اثبات پر ختم کیا۔

ایک دیہاتی کا واقعہ

ایک دیہاتی بندہ آیا کسی شیخ کے پاس ذکر سیکھنے کے لئے نہ اس کے پاس علم تھا نہ سمجھ تھی بس ایک جذبہ تھا جنونی حد تک میں اللہ کی معرفت پانا چاہتا ہوں، تو شیخ نے اس کی طبیعت کو چند دن میں سمجھ لیا بلایا اچھا یہ بتاؤ تمہیں ساری دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز سے محبت ہے؟ اس نے کہا بھینس سے، دیہاتی ایسے بھی ہوتے ہیں ان کو جانوروں کو پالنے کی وجہ سے جانوروں کے ساتھ بہت انسیت ہوجاتی ہے، میلوں کا سفر صرف جانوروں کو دیکھنے کیلئے کرتے ہیں، چنانچہ اس نے کہا جی مجھے بھینس سے بہت محبت ہے انہوں نے کہا اچھا پھر ایسے کرو کہ جا کر بیٹھ کر مراقبہ کرو، سوچو کہ میں بھینس ہوں، اس نے کہا بہت اچھا لو جی دیہاتی چلا گیا اور جا کر مراقبہ کرنے لگ گیا میں بھینس ہوں میں بھینس ہوں اب باقی لوگ بھی حیران جو علماء تھے جماعت میں سے کہ حضرت نے یہ کیا مراقبہ بتایا اس کو کہ میں بھینس ہوں اب وہ بھینس کا مراقبہ کر رہا ہے کئی دن کرتا رہا حتی کہ اس خیال میں اس کو فنائیت حاصل ہوگئی ایسا گم ہوا کہ ایک مرتبہ کمرے کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور شیخ نے اس کو بلایا بھئی سنو ذرا بات سنو کہنے لگا جی میں کیسے آؤں میرے تو سینگ اٹکتے ہیں یعنی یہ سوچ سوچ کر کہ میں بھینس ہوں میں بھینس ہوں اس کی ایسی سوچ ہوگئی کہ میرے سینگ ہیں اور دروازہ چھوٹا ہے میں اس سے کیسے گذر سکتا ہوں میں تو بھینس ہوں اب اس پر علماء اور حیران ہوئے کہ حضرت صاحب نے یہ کیا کیا اچھا بھلا بندہ تھا اس کو بھینس کے مراقبہ پہ لگا دیا، تو کسی عالم نے پوچھ لیا کہ حضرت اسمیں کیا حکمت ہے حضرت نے فرمایا دیکھو اس کا دل بھینس کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اس کے پاس علم نہیں تھا اس کے پاس سمجھ نہیں تھی میں نے اسکے ذمہ وہ

کام لگایا جس پر اس کی توجہ جم جائے اور ساری دنیا سے ہٹ جائے لہذا اب ساری دنیا سے اس کی طبیعت ہٹ گئی اور بھینس کے اوپر جم گئی، اب ہم اس بھینس کو ذبح کریں گے تاکہ یہ اللہ تک پہنچے۔

بالکل اسی طرح ہمارے مشائخ ساری دنیا سے ہٹا کر مراقبہ پہ بٹھاتے ہیں نہ انسان نہ حیوان نہ شیطان کچھ بھی نہیں فقط رحمان کی رحمت آرہی ہے دل میں سما رہی ہے اور دل کہہ رہا ہے اللہ اللہ اللہ توجہ اللہ پہ مرکوز کردیتے ہیں چنانچہ ایسا وقت آتا ہے انسان پوری دنیا سے کٹ جاتا ہے اور اللہ اللہ میں ہی اپنی ذات کو گم کر بیٹھتا ہے اپنا نام ہی بھول جاتا ہے کئی دفعہ اس کی اپنی ایسی کیفیت ہوجاتی ہے اب جب ایسی کیفیت ہوجاتی ہے سات اسباق کے کرنے سے۔

نفی کامل کسے کہتے ہیں؟

اب قالب کا سبق جب کیا تو پورے وجود نے ذکر کیا انگ انگ نے ذکر کیا روئیں روئیں نے ذکر کیا تو اب آپ سوچ سکتے ہیں کہ اللہ کی محبت کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی حضوری کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی بس اللہ اللہ اللہ اس کے سوا کچھ یاد ہی نہیں ہوتا بندے کو ایسی کیفیت ہوجاتی ہے ہمارے مشائخ نے یہاں پہنچ کر کہا کہ بھئی تم باقی مخلوق سے تو کٹ گئے لیکن تمہارے اندر یہ جو اللہ کا ذکر آکر جما ہے یہ کیفیات بھی تو تمہاری مخلوق ہی ہے، ہم بھی مخلوق اور ہماری کیفیات بھی مخلوق انہوں نے کہا یہ بھی مخلوق ہے تو اس پہ بھی تو چھری پھیرنی ہے تو انہوں نے کہا کہ ساتویں کے بعد آٹھواں سبق جو ہے وہ تہلیل کا ہے لا الہ الا اللہ کا، اب لا الہ الا اللہ کا ذکر کرو اور اس کیفیت کی بھی نفی کردو تاکہ نفی کامل نصیب ہوجائے، چنانچہ سالک اس کے بعد تہلیل خفی کا سبق کرتا ہے، تہلیل لسانی کا سبق کرتا ہے، اور روزانہ پانچ ہزار سات ہزار دس ہزار دفعہ لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ کا اتنا ذکر کرتا ہے کہ اس کے اندر وہ جو کیفیت اللہ اللہ والی جو ہوتی ہے نا وہ بھی ختم ہوجاتی ہے، تو اس کو کہتے ہیں نفی کامل۔

اس کے بعد ہمارے سلوک میں جتنے اسباق ہیں وہ سارے فکر کے اسباق ہیں اللہ اللہ کے اسباق نہیں صرف فکر کے اسباق ہیں، لطیفہ پر فلاں تجلی نازل ہور ہی ہے بس اس خیال کے ساتھ بیٹھنا ہے، لہذا جس خیال کے ساتھ بیٹھیں گے کہ فلاں تجلی آ رہی ہے تو [اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ] اللہ تعالی پھر وہ تجلیات دے بھی دیتے ہیں۔

تو سلسلہء نقشبند کا سیٹ اپ ایسا ہے، یہاں اثبات مقدم ہے اور نفی مؤخر ہے اُدھر نفی مقدم ہے اور اثبات مؤخر ہے، تو یہاں معرفت پھر کیا ہوئی اللہ کو پانا کیا ہوا [اَلۡعِجۡزُ عَنۡ دَرۡكِ الذَّاتِ اِدۡرَاكٌ]

مجدد الف ثانیؒ کی اصطلاح

یہ مشائخ نقشبند کے یہاں اللہ کی معرفت ہے اور اس کا نام مجدد الف ثانیؒ نے حسرت نایافت رکھا، کہ اللہ کی یافت یہ ہے کہ بندے کو حسرت نایافت نصیب ہو جائے، کیا اللہ کی عظمت کو انہوں نے کھولا ہے، بندہ بندہ ہے اللہ اللہ ہے۔

اب بزرگوں نے کہا کہ بھئی تم کہتے ہو نا یافت کی باتیں اور ہمیں تو ہر چیز نظر آتی ہے ہم تو ہمہ اوست کہتے ہیں اب اس ہمہ اوست کے اوپر لمبی بحثیں چلیں حتی کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے آ کر اس بات کو ہمیشہ کے لئے طے کر دیا انہوں نے فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ہمہ اوست یہ کہنا کچھ اور چاہتے ہیں مگر کہہ ہمہ اوست رہے ہیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "ہمہ از اوست" یہ نہیں کہ سب وہی ہے سب اسی سے ہے، تو "ہمہ از اوست" کے الفاظ کہنے سے مسئلہ ہی حل ہو گیا تو پہلے ہمہ اوست کا تصور تھا بعد میں "ہمہ از اوست" انہوں نے کہا جی ہم تو "توحید وجودی" کے قائل تھے امام ربانی نے فرمایا نہیں آپ توحید وجودی کے قائل نہیں تھے "توحید شہودی" کے قائل تھے آپ کو نظر ایسا آ رہا تھا جبکہ ایسا ہے نہیں۔

تو یہ اکابر جو کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں یہ قابل احترام مشائخ ہیں مگر یہ کہنا چاہتے ہیں ہمہ از اوست اور کہہ رہے ہیں ہمہ اوست اور انہوں نے کہا کہ یہ توحید

8

وجودی لفظ کہہ رہے ہیں اصل میں یہ توحید شہودی ہے ان کا مشاہدہ ایسا ہو رہا ہے تو ان الفاظ کے بعد مشائخ چشت یا نقشبند یا متقدمین یا متأخرین سارے کے سارے اس بات کے اوپر متفق ہو گئے بحث کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

جس طرح فقہاء کے یہاں مسالک کا ایک خاص طریق ہے اسی طرح صوفیاء کے یہاں بھی اصول اور ضوابط ہیں ہمیں لہذا ہر ہر طریق کے اسباق ہیں اللہ تعالی ہمیں اکابر مشائخ کا دل سے احترام کرنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

﴿وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾

نقشبندی سلسلہ کے اسباق کی ترتیب

ازافادات

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

1

فہرست عناوین

اللّٰہُ اللّٰہُ اللّٰہُ

اقتبـــــاس

ایک ہوتی ہے بندے کی صفت ایک ہوتی ہے بندے کی شان، اب اس کو آسان لفظوں میں سمجھاؤں وہ یہ کہ ایک ہوتا ہے بندے کا حسن اور ایک ہوتا ہے بندے کا نخرہ، تو نخرے کو شان کہتے ہیں اور حسن کو صفت کہتے ہیں ﴿کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَفِیۡ شَاۡنٍ﴾ ہر دن اللہ کی ایک نئی شان ہے اس کے حسن کا نیا ایک رنگ ہے ایک نیا انداز ہے، اللہ اکبر!

آپ دیکھیں دلہن جب شادی کے بعد آتی ہے تو ابتدائی دنوں میں روز نئے سے نئے کپڑے بدل کر بن سنور کر تیار ہوتی ہے، کبھی اس رنگ کے کپڑے پہنتی ہے کبھی اس رنگ کے، کبھی ایسے بال بناتی ہے کبھی ایسے بناتی ہے، کبھی یہ چوڑیاں پہن رہی ہے کبھی وہ چوڑیاں پہن رہی ہے، ہوتی تو وہی ہے لیکن ہر دن نئے انداز سے تیار ہونے میں اس کے اندر ایک نئی کشش ہوتی ہے اسی لئے خاوند کو بھی ہر دن اسکے ساتھ ایک نئی محبت محسوس ہوتی ہے، تو جب دلہن کا ہر دن ایک نیا انداز ہے تو عاشق کا ہر دن محبت کا ایک نیا ولولہ ہوتا ہے، لہذا بالکل یہی کیفیت ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَفِیۡ شَاۡنٍ﴾ کہ ہر دن میرے حسن کا ایک نیا جلوہ ہے اس کا مطلب یہ کہ عاشقؔ کا ہر روز ایک نیا ولولہ ہے۔

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

2

الحمدلله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى

امابعد!

اَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ ☆ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَفِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾

سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ وَسَلَامٌ عَلٰی الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

اسباق کی ترتیب

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ''اللہ اللہ'' کے ذکر والے مراقبے پہلے ہیں پھر اس کے بعد تہلیل کے اسباق ہیں، مقصود یہ ہے کہ انسان ساری دنیا سے کٹ کر اللہ کی یاد میں ڈوب جائے اور پھر اللہ کا جو دھیان اس ذکر کے اندر ہوتا ہے اس کی بھی نفی کر دی جائے تا کہ نفی کامل نصیب ہو جائے اسی لئے ہمارے پہلے سات اسباق مراقبے کے ہیں

پانچ لطائف عالم امر کے

دو لطائف عالم خلق کے

اس کے بعد پھر دو اسباق تہلیل کے ہیں

پہلا سبق تہلیل خفی حبس دم کہلاتا ہے، حبس دم کا مطلب یہ کہ انسان اپنی سانس کو بند کر لے اور بند کیفیت میں تصور کی زبان سے کم از کم اکیس مرتبہ **لا الہ الا اللہ** کہے۔

پھراس کے بعد تہلیل لسانی کا سبق ہے،
ہمارے پورے اسباق میں تہلیل کا سبق ہی ایسا ہے جو زبان سے کرنا ہوتا ہے
مناسب آواز کے ساتھ **لاالہ الااللہ، لاالہ الااللہ، لاالہ الااللہ** تین ہزار
پانچ ہزار دس ہزار مرتبہ،مختلف حضرات کا مختلف معمول رہتا ہے، آج بھی ایسے
لوگ ہیں جن کا روزانہ دس ہزار مرتبہ تہلیل کا معمول ہے اس طرح گویا سالک
اپنی زندگی میں کروڑوں مرتبہ اپنے قلب پر **لاالہ الااللہ** کی ضرب لگاتا ہے اب
سوچنے کی بات ہے کہ جس قلب پر کروڑوں مرتبہ **لاالہ الااللہ** کی ضرب لگ
چکی ہو پھر موت کے وقت وہ دل اللہ کو کیسے بھول سکتا ہے،
تو پہلے سات اسباق اللہ اللہ کے،
پھر دو اسباق تہلیل کے،سات اور دو نو ہوگئے،
دسواں سبق مراقبہ احدیت کہلاتا ہے اوراس میں سالک کو فکر کا مراقبہ کرنا ہوتا
ہے، یہ فنا کا سبق کہلاتا ہے،جنھوں نے اپنے لطائف پر خوب محنت کی ہو ان کو
اس سبق کے اندر آکر فنائے کامل نصیب ہوتی ہے، یہ فنائے قلبی کہلاتی ہے، یہ
فنائے قلبی وہ مقام ہے کہ جس میں سالک کے قلب میں ولایت کا نور متحقق ہوتا
ہے یعنی آجاتا ہے، پھر آگے اس کو چمکانا ہوتا ہے، لیکن فنائے قلبی تک کام پہنچنے
کے بعد بندہ ذکر کے اندر پختہ ہوجاتا ہے،اس کا دھیان ہر وقت اللہ کی طرف
رہتا ہے ،مراقبہ احدیت ایک پُل ہے شروع کے اسباق میں اوراگلے اسباق
میں، یوں سمجھ لیں کہ جیسے ایک ہے پرائمری اسکول پھر اس کے بعد ہے ہائی اسکول
تو اسی طرح مراقبہ احدیت سے پہلے سارے اسباق ذکر کے تھے، مراقبہ احدیت
اور اس کے بعد اب فکر کے اسباق شروع ہوگئے، تو پہلے سات اسباق اللہ اللہ کے
ذکر کے یہ پرائمری اسکول سمجھ لیں، پھر دو اسباق تہلیل کے یہ ہائی اسکول سمجھ لیں،
اور پھر آگے فکر کے یہ گویا کالج یونیورسٹی کے سبق شروع ہوگئے اور آخر تک جتنی
بڑی سے بڑی ڈگری ہے وہ اسی فکر کے طریق پر ملتی ہے۔

اسباق فیوضات یا مشاربات

مراقبہ احدیت کے بعد سالک اپنے تمام لطائف پر پھر مراقبہ کرتا ہے،تو گیارہواں
سبق ہمارا ''مراقبہ لطیفہ ءقلب'' کا ہے،فرق کیا ہے پہلے میں اور گیارہویں میں؟
فرق یہ ہے کہ جب پہلا سبق شروع کیا تھا تو اس میں اللہ اللہ کا دھیان تھا،اب
جب قلب پہ مراقبہ کریں گے تو اللہ اللہ کا دھیان نہیں ہوگا بلکہ یہ نیت کریں گے
کہ ''الٰہی ! تجلیات افعالیہ کا جو فیض آپ نے نبی علیہ السلام کے لطیفہ ءقلب سے
حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفہ ءقلب میں القاء فرمایا تھا پیرانِ کبار کے واسطے
سے میرے لطیفہ قلب میں بھی القاء فرما''تو اب گویا اس قلب کے اوپر تجلیات
افعالیہ کا نور آپ لے رہے ہیں۔

شیونات الٰہی

اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات ہیں اسکی شیونات ہیں اوراس کی ذات ہے یہ الگ
الگ چیزیں ہیں، صفات تو آپ سمجھتے ہی ہیں کہ صفات کیا ہے ایک ہوتی ہے
بندے کی صفت ایک ہوتی ہے بندے کی شان ،اب اس کو آسان لفظوں میں
سمجھاؤں وہ یہ کہ ایک ہوتا ہے بندے کا حسن اورایک ہوتا ہے بندے کا نخرہ، تو
نخرے کو شان کہتے ہیں اورحسن کو صفت کہتے ہیں ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾
ہر دن اللہ کی ایک نئی شان ہے اس کے حسن کا نیا ایک رنگ ہے ایک نیا انداز ہے،
اللہ اکبر!
آپ دیکھیں دلہن جب شادی کے بعد آتی ہے تو ابتدائی دنوں میں روز نئے
سے نئے کپڑے بدل کر بن سنور کر تیار ہوتی ہے،کبھی اس رنگ کے کپڑے پہنتی
ہے کبھی اس رنگ کے،کبھی ایسے بال بناتی ہے کبھی ایسے بناتی ہے،کبھی یہ چوڑیاں
پہن رہی ہے کبھی وہ چوڑیاں پہن رہی ہے، ہوتی تو وہی ہے لیکن ہر دن نئے انداز
سے تیار ہونے میں اس کے اندر ایک نئی کشش ہوتی ہے اسی لئے خاوند کو بھی ہر دن

اسکے ساتھ ایک نئی محبت محسوس ہوتی ہے،تو جب دلہن کا ہر دن ایک نیا انداز ہے تو عاشق کا ہر دن محبت کا ایک نیا ولولہ ہوتا ہے،لہذا بالکل یہی کیفیت ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَفِى شَأْنٍ﴾ کہ ہر دن میرے حسن کا ایک نیا جلوہ ہے اس کا مطلب یہ کہ عاشق کا ہر روز ایک نیا ولولہ ہے، اللہ کے جلووں کی انتہاء نہیں تو عاشق کے ولولوں کی بھی انتہاء نہیں، اسلئے اسکو ہزار سال زندگی کے دیں تو ہر دن اس کی محبت میں ایک نئی مستی ہوتی ہے، ایک نئی چاہت ہوتی ہے، اللہ والوں کو زندگی کے پچاس سال ملیں، سو سال ملیں پھر بھی کوئی تھکا نظر نہیں آیا کہ میں تھک گیا ہوں، وہ بیمار ہو جائیں گے مریض ہو جائیں گے معذور ہو جائیں گے لیکن آج تک کوئی ایسی مثال نہیں ملی کہ کسی اللہ والے نے کہا ہو کہ میں اب عبادت کر کر کے تھک گیا ہوں، کیوں؟ اسلئے کہ جب محبوب کا روز ایک نیا انداز ہے، تو پھر عاشق کا جوش بھی روز نیا ہوتا ہے، اسلئے سالک کا جوش آخری دن تک روز نیا ہوتا ہے، اسمیں تھکتا نہیں کوئی۔

اس لفظ شان کی جمع شیونات ہے، تو گویا تین چیزیں ہوئیں اللہ کی صفات، اللہ کی شیونات اور اللہ کی ذات، یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں اور یہ جو ہم دوبارہ سبق شروع کرتے ہیں اس میں مختلف اسباق میں مختلف تجلیاں وارد ہوتی ہیں، تو لطیفہ ءقلب جو گیارہواں سبق ہے اس پر تجلیات افعالیہ کا ورود ہوتا ہے، تجلیات افعالیہ سے کیا مراد ہے؟ وہ یہ کہ اللہ تعالی فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے، پوری کائنات میں فاعل حقیقی وہی ہے۔

بات کے انداز مختلف

دیکھیں بات کرنے کے تین انداز ہوتے ہیں

......(۱) انسان عمل کی طرف نسبت کر دیتا ہے،

......(۲) انسان اپنی طرف نسبت کر دیتا ہے

......(۳) اور کبھی انسان اللہ تعالی کی طرف نسبت کر دیتا ہے بات کرنے کے یہ تین ہی انداز ہیں،

☆ کبھی تو عمل کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے، جیسے بندہ کہتا ہے جی اس کی بداعمالیاں اسے لے ڈوبیں، تو اس فقرے میں عمل کی طرف نسبت ہو گئی۔

☆ اور کبھی بندے کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے کہ اس نے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں ماریں، تو اس فقرے میں نسبت بندے کی طرف ہو گئی۔

☆ اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف نسبت کر دی جائے کہ بس اللہ نے اس کا کا بیڑا غرق کر دیا تو اس فقرے میں نسبت اللہ تعالی کی طرف ہو گئی۔

قرآن مجید میں یہ تینوں مثالیں موجود ہیں عمل کی نسبت بھی موجود ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا تو نسبت اعمال کی طرف ہو گئی، کہیں اللہ تعالی نے بندے کی طرف نسبت کر دی چنانچہ فرمایا ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اللہ نے تو ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور کہیں اللہ تعالی اپنی طرف نسبت فرما لیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ اللہ اکبر! کیا شاہانہ انداز ہے گفتگو کا، آیت کو پڑھتے ہیں تو دل کانپتا ہے کہ کس شہنشاہ کا یہ کلام ہے، تو اب اللہ تعالی اپنی طرف نسبت فرما رہے ہیں تو تینوں طرف نسبت کے انداز ہوتے ہیں اس کائنات میں جو بھی ہو رہا ہے ظاہر میں ہم کر رہے ہیں مگر ان کے پیچھے فاعل حقیقی اللہ کی ذات ہے۔

ایک مثال

اسکی مثال آپ یوں سمجھیں کہ جب ہم بچپن میں تھے تو پتلیوں کا تماشہ ہوا کرتا تھا تو ایک مرتبہ مجھے بھی دیکھنے کا موقعہ ملا کہ میرے بڑے بھائی کہنے لگے کہ تو

نے تماشہ دیکھا؟ میں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں، کہنے لگے آؤ تمہیں لے جاؤں، تو ہم نے دیکھا کہ ایک پردہ تھا اور پردے کے آگے اسٹیج بنا ہوا تھا اور اسٹیج کے اوپر چھوٹے چھوٹے لکڑی کے بنے ہوئے بندے بندیاں تھے جو بھاگ رہے تھے دوڑ رہے تھے باتیں کر رہے تھے تو میں تو بہت ہی چھوٹا تھا شاید چار یا پانچ سال کی عمر ہوگی، تو میرے لئے تو یہ ایک نیا جہان تھا تو میں تو غور سے انکو دیکھتا رہا کہ یہ چھوٹے سے بندے کیسے بولتے ہیں اور وہ پتلیاں کھیل رہی تھیں اور میں اس وقت سوچ رہا تھا کہ ان کے دانت آئے یا نہیں؟ خیر جب وہ کھیل دیکھا تو ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ بھئی یہ خود ہی دوڑتی ہیں بھاگتی ہیں بعد میں پھر بڑے بھائی نے سمجھایا کہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ یہ تو بے جان تھیں، چونکہ میں نے ان سے پھر یہ سوال پوچھا تھا کہ بھائی جان یہ کھاتی کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں یہ تو بے جان تھیں اور انکی ایک تار تھی جو تمہیں اندھیرے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھی اور پردے کے پیچھے ایک بندہ بیٹھا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں کنٹرول تھا وہ جس کو چاہتا تھا بھگاتا تھا، رلاتا تھا، ہنساتا تھا، بات کرتا تھا اور آواز خود ہی نکالتا تھا تو ہمیں اس سے یہ اندازہ ہوا کہ بھئی یہ اس زمانہ میں ایک کھیل تماشہ تھا، وہ کھیل ابھی بھی ذہن میں آتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا میں جو بھی کچھ ہو رہا ہے اس میں ہماری حیثیت پتلیوں ہی کی مانند ہیں اور پیچھے فاعل حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہے، وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

ایک سوال

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فاعل حقیقی اللہ تعالی کی ذات ہے تو گناہ کرنے پر بندے کی پکڑ کیسے؟ اور نیکی کرنے پر جنت کیسے؟ کیونکہ کر تو اللہ رہے ہیں اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ایک بندے کے پاس ایک ٹوکری پھولو کی اور ایک گوبر کی بھری ہوئی ہے، اب ایک پہلوان اس کو کہتا ہے کہ بھئی تم ان

میں سے پسند کر لو جو تم پسند کرو گے میں اٹھا کر تمہارے سر پر رکھ دوں گا وہ انتخاب گوبر کی ٹوکری کا کرتا ہے تو پہلوان ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اس کے سر پر گوبر کی ٹوکری رکھی لیکن لعن طعن جب کیا جائے گا تو پہلوان کو نہیں کیا جائے گا بلکہ اس بندے کو کیا جائے گا کہ تو نے پھول کیوں نہ اٹھائے؟ تو ہی گوبر اٹھا کر لے آیا یہی بندے کی مثال ہے کہ نیکی اور برائی کی نیت بندہ کرتا ہے پھر کرنے کی توفیق اللہ تعالی اس کو دیدیتے ہیں تو اسلئے خیر اور شر کا جو بھی کام ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کے اذن سے ہو رہا ہے اس کی اذن کے بغیر کسی درخت کا پتہ نہیں ہل سکتا مگر نیک بندے کو جنت ملے گی اسلئے کہ اس نے نیکی کو پسند کیا اور برائی کرنے پر دوزخ ملے گی اسلئے کہ اس نے برائی کا ارادہ کیا؟ عمل کی توفیق تو اللہ دینے والا ہے توفیق تو منجانب اللہ ہوتی ہے اسلئے کہا ﴿وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے اسلئے مؤمن کو چاہئے کہ وہ خیر کی نیت رکھے نیکی کی نیت رکھے اور نیکی کے کام کرے، اب فاعل حقیقی تو اللہ تعالی کی ذات ہی ہے اور ہم اس عالم اسباب میں ہیں، ہمیں یہاں اسباب سے کام ہوتا نظر آتا ہے، جب کہ حقیقت میں مسبب الاسباب کر رہا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ٹونٹی کو کھولیں تو پانی آتا ہے اب دیہاتی بندے نے پہلی دفعہ ٹونٹی دیکھی پانی آنے لگا تو اس کا جی چاہا کہ یہ میرے گھر میں بھی لگی ہوتی! اسکو کیا پتہ کہ وہ ٹونٹی سے پانی نہیں آ رہا بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا سسٹم ہے پمپ لگا ہے ایک ٹینک بنی ہے اس میں سے آ رہا ہے۔

ایک مرتبہ آ رہے تھے حج کی فلائٹ تھی تو ایک بڑے میاں بھی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے بڑے میاں بار بار سیپ لگا ہوا بٹن دباتے تھے ملازمہ آ جاتی تھی تو بڑے میاں بڑے حیران ہوئے تو انہوں نے آنٹی سے پوچھا یہ بٹن کیسا ہے؟ اس نے کہا باباجی آپ جب بھی دبائیں گے تو میں آ جاؤں گی باباجی کہنے لگے پھر تو میں گھر میں بھی لگواؤں گا، تو مطلب کہنے کا یہ ہے کہ ہمیں ٹونٹی

سے پانی نظر آتا ہے ٹونٹی کے پیچھے ایک مستقل نظام ہوتا ہے اسی طرح ہمیں اس دنیا میں اسباب سے کام ہوتے نظر آتے ہیں وہ اسباب سے نہیں ہو رہے ہوتے ان کے پیچھے مسبب الاسباب ہوتے ہیں جو وہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

سیدنا موسی علیہ السلام کا واقعہ

چنانچہ سیدنا موسی علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ کوہ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالی سے دعا کی کہ یا اللہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیماری ہے، فرمایا اے میرے محبوب! میرے کلیم! فلاں درخت کے پتے کھا لو، چنانچہ جڑی بوٹی استعمال کی ٹھیک ہو گئے کچھ عرصہ گذرا کہ پھر وہی تکلیف ہوئی اب پھر موسی علیہ السلام گئے اور وہی جڑی بوٹی (ہربل میڈی سین) استعمال کی، تو اب کوئی فرق نہیں پڑ رہا پھر کوہ طور پر جانا ہوا تو عرض کیا یا اللہ وہ پتے تو استعمال کر رہا ہوں کوئی فرق نہیں پڑ رہا تو فرمایا کہ ہمارے کلیم! ان پتوں میں شفا نہیں تھی ہم نے اس وقت ان پتوں میں شفا رکھ دی تھی شفا دینے والے تو ہم ہیں، ہم جہاں چاہیں رکھ دیں اور واقعی کئی مرتبہ انسان دودھ پی کر موٹا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ دودھ پی کر مر رہا ہوتا ہے، دودھ پیا فوڈ پوئیزن ہو گیا، بندے کی موت آ گئی، وہی دودھ جب اللہ چاہتے ہیں تو صحت کے ملنے کا سبب ہوتا ہے اور جب اللہ چاہتے ہیں وہی بندے کی موت کا سبب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تو برتن ہوئے برتن میں پانی ڈال دو یا برتن میں شربت ڈال دو، یہ تو ڈالنے والے پر منحصر ہے، اسی طرح خیر ڈالنا، شر ڈالنا، نفع ڈالنا، نقصان ڈالنا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور باقی سب تو اسباب ہیں، اللہ تعالی جب چاہتے ہیں تو نفع کے نقشے میں سے نقصان نکال دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو نقصان کے نقشہ میں بندے کے لئے نفع نکال دیتے ہیں، پکی بات ہے

ذاتی تجربہ

ہم نے خود اس کو ایک مرتبہ آزمایا، ہمارا اپنا کھیتی باڑی کا کچھ کام ہے تو اس میں سبزی وغیرہ لگتی ہیں لوگ ہیں جو کام کرتے ہیں ان کو کوئی آٹھ ایکڑ زمین میں (ککڑی) لگانا تھا اسمیں سے چھ ایکڑ زمین بالکل تیار تھی مگر دو ایکڑ زمین کے اوپر چاول لگے ہوئے تھے اور چاول کی کھیتی میں پانی زمین میں کھڑا رکھنا پڑتا ہے تو جب فصل کاٹی جاتی ہے تو اگلی فصل کاشت کرنے کے لئے زمین جلدی خشک نہیں ہوتی، انتظار کرنا پڑتا ہے چنانچہ انہوں نے چھ ایکڑ میں تو کیوکمبر (ککڑی) لگادی دو ایکڑ میں نہیں لگائے، دعائیں مانگ رہے ہیں اوپر سے موسم ٹھنڈا ہو گیا پانی خشک ہی نہیں ہو رہا اور پانی بھی ماشاء اللہ کیونکہ چار، پانچ انچ بھرا رکھتے ہیں تو اس کا اس پوزیشن میں آنا کہ جس میں نیا پودا ٹرانس پلانٹ کریں وہ مشکل تھا اور اگر پانی کی اس کیفیت میں اگر پودے لگا دیں تو اس کی جڑیں مر جاتی ہیں اب کام کرنے والے بار بار میرے پاس آتے کہ ہم نے آٹھ ایکڑ لگانا تھا چھ ایکڑ لگایا اور دو ایکڑ تو ہم لگا ہی نہیں پا رہے لگتا ہے کہ ہم شاید سیزن میں دو ایکڑ کا فائدہ نہیں لے سکیں گے ہم نے کہا بھئی کوشش کرو انہوں نے بڑی کوشش کی، خیر کوئی دس بیس دن لیٹ ہو گئے جب تھوڑی زمین ٹھیک ہوئی تو انہوں نے ہمت کر کے اس کے اندر پودے لگا دئے لیکن پودے بڑھ ہی نہیں رہے تھے وہ جیسے تھے وہ ویسے ہی رہے، اب سب پریشان ہیں ماہرین کو بلا رہے ہیں ان سے پوچھ کر رہے ہیں خود کتابیں پڑھ رہے ہیں سمجھ میں کچھ نہیں آتا جو چھ ایکڑ تھے وہ پودے ایسے بڑھ رہے تھے جیسے ان کو کوئی نشہ ہو، ان کے پھول آنے شروع ہو گئے ان کے پھل آنے شروع ہو گئے اس کو دیکھ کر بندہ حیران ہوتا تھا کہ اللہ نے کیسی بہترین فصل دی اور دو ایکڑ کے پودے ویسے ہی نظر آتے تھے جیسے لگائے تھے بس کھڑے ہیں، یا اللہ کیا کریں اب نہ تو اس کو پانی دے سکیں کہ پہلے سے پانی بہت ہے اور جب پانی نہیں دے سکتے تو کھاد بھی نہیں دے سکتے کہ بڑھے، عاجز آ گئے میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ بھئی آپ لوگ کیوں اسکی

وجہ سے پریشان ہیں اللہ پر چھوڑ دو اگر اللہ نے نصیب میں یہاں سے کچھ لکھا ہے تو دیدیں گے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بندہ پریشان وہاں ہو جہاں اپنے اختیار میں سستی کرے وہاں پریشان ہونے کی بات ہے جہاں اختیار ہی نہیں چلتا کیا پریشان ہونے کی بات ہے، خیر بچے ریلکس ہو گئے ہم نے ذہن ہی بنالیا کہ بھئی ہم نے آٹھ ایکڑ کی بجائے چھ ایکڑ بویا، چھ ایکڑ کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا، اللہ کی شان دیکھیں کہ جب وہ چھ ایکڑ کی فصل خوبصورت بہترین تیار ہو گئی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں عین اسوقت جب کہ اس کو نکال کر مارکیٹ میں بھیجنا تھا اس کا ریٹ اوپر سے نیچے آ گیا پہلے کیو کمبر بک رہے تھے چالیس روپئے کلو فرض کرو اب ان کی قیمت ہو گئی دو روپئے کلو سب پریشان بوریوں کی بوریاں بھر کر جا رہی ہیں اور اس کا ریٹرن کچھ بھی نہیں اتنا بھی ریٹرن نہیں کہ خرچہ پورا ہو سکے لوگوں کی تنخواہیں، فرٹیلائزر، پانی کا بل، خرچہ ہی نہیں نکلا، بچے پھر پریشان کہ جی یہ کیا بنا ہم نے کہا کہ بھئی یہ تو رزق کی بات ہے آپ فکر مت کرو آپ نے اپنی محنت کی، مطمئن رہو چھ ایکڑ سے یوں سمجھ لیں بمشکل ہمیں پچاس فیصد خرچہ ملا جو ہم نے اس پر کیا تھا گویا ہمارا خرچہ بھی آدھا نقصان میں، اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ ریٹ نیچا رہا نیچا رہا ایک مہینہ لگ گیا اور جب ریٹ تھوڑا اوپر آنے لگا تو وہ پودے جو دو ایکڑ کے کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بڑھنا شروع کر دیا اب ہم ان کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں اس پر پھول آ رہے ہیں اس پر پھل آ رہے ہیں اور اللہ کی شان کہ جب دو ایکڑ کا پھل مارکیٹ میں جانے لگا دو روپئے کی بجائے ساٹھ روپئے اس کا ریٹ ہو گیا تھا دو ایکڑ نے ہمیں دس ایکڑ سے زیادہ ریٹرن دیا تو میں نے پھر دوستوں کو وہاں کھڑے ہو کر یہ بات سمجھائی کہ دیکھو اللہ تعالی چاہتے ہیں تو نفع کے نقشوں میں سے تمہارے لئے نقصان نکال دیتے ہیں اور نقصان کے نقشوں میں سے تمہارے لئے نفع نکال دیتے ہیں، نفع اور نقصان اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔

وقت کے نبی کی تعلیم

چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام کو جو اللہ تعالی نے فرمایا تھا ﴿وَمَا تِلۡکَ بِیَمِیۡنِکَ یٰمُوۡسٰی﴾ تو پوچھنے کا خاص مقصد تھا اللہ تعالی کو تو معلوم ہے کہ یہ کیا ہے وہ تو اس چیز کے خالق ہیں ہر چیز کو جانتے ہیں مگر پوچھا اسلئے کہ ان سے کہلوانا مقصد تھا کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے ذرا بتائیں ﴿قَالَ هِیَ عَصَایَ﴾ یہ عصا ہے ﴿اَتَوَکَّؤُا عَلَیۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیۡ﴾ بکریاں ہانکتا ہوں ﴿وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی﴾ اللہ بڑے فائدے ہیں اس میں میرے لئے، تو یہ کہلوا دیا کہ اس میں تمہارے لئے بڑے فائدے ہیں جب حضرت موسی علیہ السلام نے کہہ دیا کہ بڑے فائدے ہیں تو فرمایا ﴿قَالَ اَلۡقِهَا یٰمُوۡسٰی﴾ اے ہمارے پیارے کلیم! ذرا اس کو زمین پر ڈال دو ﴿فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسۡعٰی﴾ وہ تو ازدھا بن گیا جب ازدھا بن گیا تو ﴿فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِهٖ خِیۡفَةً مُّوۡسٰی﴾ اب موسی علیہ السلام اپنے دل میں خوف کھا رہے ہیں کیا مصیبت ہے یہ کیا بن گیا اللہ نے فرمایا ﴿قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ﴾ موسی علیہ السلام اس کو آپ اٹھا لیجئے ڈریئے نہیں ﴿سَنُعِیۡدُهَا سِیۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰی﴾ پہلے والی اس کو سیرت دیدیں گے، چنانچہ ہاتھ لگایا تو پھر عصا بن گیا یہاں اللہ رب العزت نے ایک بات کی تعلیم دی کہ میرے پیارے کلیم! آپ کہہ رہے تھے کہ بڑے نفع والی چیز ہے ہمارے حکم سے زمین پر ڈالا تو نقصان دینے والی بن گئی اور آپ تو نقصان والی چیز سے گھبرا کر بھاگ رہے تھے، ہمارے حکم سے ہاتھ لگایا تو نفع والی بن گئی تو نفع اور نقصان ہمارے ہاتھ میں ہے اللہ رب العزت نے ایک سبق دینا تھا ایک بات دکھانی تھی کہ ہم آپ کو ایک عظیم کام کے لئے بھیج رہے ہیں آپ کیوں گھبراتے ہیں کہ وہاں فرعون بڑی مضبوط حکومت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے نفع نقصان کے مالک تو ہم ہیں تو اللہ رب العزت نے یہ بات اپنے

پیارے پیغمبر کو سمجھائی لہذا کل کائنات میں جو چیز نظر آرہی ہے یہ برتن ہیں اور ان برتنوں میں نفع کو رکھنا نقصان کو رکھنا عزت کو رکھنا ذلت کو رکھنا یہ اللہ کا اختیار ہے

سبب غم ہی سبب خوشی بنا

اگر آپ اللہ پر توکل رکھیں گے تو جو اسباب آپ کو غم کے نظر آرہے ہوں گے اللہ تعالی انہیں کو آپ کے لئے خوشی کا سبب بنا دیں گے، جو سبب آپ کو نقصان کا نظر آرہا ہوگا اللہ پر توکل رکھیں اللہ اسی سبب کو آپ کے لئے نفع کا سبب بنا دیں گے، اسکی دلیل قرآن عظیم الشان، سیدنا موسی موسی علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالتی ہیں، دل مغموم ہے دل بڑا پریشان ہے ﴿وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا﴾ موسی علیہ السلام کی والدہ نے بڑے ٹوٹے دل مغموم دل کے ساتھ صبح کی، دل مغموم کیوں تھا؟ بیٹے کو پانی میں ڈالا تھا تو پانی سبب بنا تھا دل مغموم ہونے کا، مگر انہوں نے اللہ کے وعدے پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ رب العزت اگر چاہتے تو فرعون کو زمین میں دھنسا سکتے تھے جیسے قارون کو دھنسایا تھا مگر اللہ تعالی نے زمین میں نہیں دھنسایا بلکہ پانی میں ڈبویا کیوں کہ میری بندی تجھے غم ملا تھا اس پانی سے مگر تو نے ہم پر توکل کرلیا ہم نے تمہارے لئے اسی پانی کو خوشی کا سبب بنا دیا جہاں سے غم ملے گا میں وہیں سے تمہیں خوشی دوں گا غم اور خوشی میرے اختیار میں ہے۔

سبب صبر ہی سبب شکر بنا

حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی جدائی سے بڑے مغموم ہیں ﴿وقَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ﴾ بہت مغموم ہیں اتنے مغموم اتنا روئے کہ ﴿وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ﴾ آنکھیں سفید ہوگئیں بنائی چلی گئی، یعقوب علیہ السلام کی بنائی جانے کا سبب یہ بنا تھا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کا کرتہ لاکر دکھادیا تھا ﴿وَجَآءُوۡۤ اَبَاہُمۡ عِشَآءً یَّبۡکُوۡنَ﴾ جھوٹ

8

موٹ کا خون لگا کر یوسف علیہ السلام کا کرتہ دکھا دیا کہ ﴿اَکَلَہُ الذِّئۡبُ﴾ تو کرتہ کو دیکھ کر یعقوب علیہ السلام کو غم ملا تھا اور اتنا غم ہوا کہ پھر آنکھیں سفید ہوگئی، بینائی چلی گئی، اب جب یہ سارا واقعہ مکمل ہوگیا تو بھائیوں نے معافی مانگ لی اور بتا دیا کہ والد تو آپ کی یاد میں رو رو کر نابینا ہو چکے تو حضرت یوسف علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ میں دعا کرتا ہوں مگر انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ انہو نے کہا کہ ﴿اِذۡہَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ ہٰذَا﴾ میرا یہ کرتہ لے کر جاؤ، کیوں کرتہ بھجوایا؟ اسلئے کہ اللہ رب العزت چاہتے تھے اے میرے یعقوب علیہ السلام! جس چیز سے آپ کو غم ملا ﴿فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ﴾ آپ نے جب صبر جمیل کرلیا تو میں اسی چیز سے آپ کو شفا عطا فرماؤں گا کرتہ ہی آئے گا آپ انکھوں پر پھیریں گے آپ کی بینائی واپس آجائے گی، تو یہ دستور سمجھ لیں شریعت کے اوپر پکے ہوجائیں، جو سبب آپ کو ذلت کا نظر آرہا ہے اللہ اسی سے عزت عطا فرمائیں گے، جو سبب آپکو اپنے غم کا نظر آرہا ہے اللہ اسی سبب سے خوشی عطا فرمائیں گے، غم، خوشی، نفع، نقصان یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

یہ جو سبق ہے گیارہواں اسمیں سالک تجلیات افعال کا فیض اپنے قلب پر لیتا ہے اور ان تجلیات کا فیض ملنے سے سالک کے اندر یہ یقین پختہ ہوجاتا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہے اسکو کوئی دوسرا فاعل نظر ہی نہیں آتا اسکے دل میں یہ یقین بیٹھ جاتا ہے اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ نہیں کرسکتیں اللہ کے بغیر چنانچہ اس سبق کے اوپر سالک کو وہ کیفیت مل جاتی ہے جس کا ہم دعوت وتبلیغ کے اندر بول بولتے ہیں کہ یہ ایمان بناؤ اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر، چیزیں کچھ نہیں کرسکتی اللہ کے بغیر، نفع کے نقشوں میں سے اللہ نقصان نکالتے ہیں نقصان کے نقشوں میں سے اللہ نفع نکال سکتے ہیں یہ جو بڑا بول ہے ایمان کے کمال کا اس ذکر کے راستے میں وہ انسان کو لطیفہ قلب کے سبق پر مل سکتا ہے جب پہلے سبق پر یہ کیفیت ہے

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

آپ یہ سوچیں انتہائی سبق کے اوپر انسان کے ایمان اور یقین کی کیا کیفیت ہوگی ،تو پہلے سبق پر یہ کیفیت مل رہی ہے اگر مکمل ہوتا ہے تو جو اسباق پینتیس بنائے گئے ہیں تو پھران پینتیس پر بندے کے یقین اور ایمان کی کیا کیفیت ہوسکتی ہے، چنانچہ جو سالک یہ سبق کرتا ہے تو اس کا اثر اسکے اوپر یہ ہوتا ہے کہ مخلوق سے اس کی نگاہ ہٹ جاتی ہے خالق کے اوپر اس کی نظر جم جاتی ہے، خالق ہی کو وہ ہر کام کا فاعل سمجھتا ہے۔

ایک سوال

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بندہ لطیفہ قلب کے موقع پر واپس آرہا تھا سیر من اللہ کے ساتھ اور عالم امر میں رک گیا تو اس کی بھی توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے حالانکہ وہ پہلے سبق پر تھا اور یہ گیارہویں سبق والے کی بھی توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے تو فرق کیا ہوا؟ کہ پہلے سبق میں بھی اسکو عروج ہوا تھا پھر نزول میں وہ اٹک گیا رستے میں تو عالم امر میں رہ گیا اب توجہ اللہ کی طرف ہے اسباب کی طرف ہے ہی نہیں ،اور گیارہویں سبق میں بھی آپ آکر وہی کہانی سنا رہے ہیں کہ جی اللہ کی طرف نظر اٹھ جاتی ہے جم جاتی ہے اور مخلوق سے نظر ہٹ جاتی ہے تو فرق کیا ہوا؟

فرق یہ ہے کہ یہ جو بندہ جو گیارہواں سبق کر رہا ہے یہ عالم اسباب میں آچکا اس کی ظاہری زندگی اسباب کے مطابق ہوگی باطن کی نظر اللہ کے اوپر ہوگی ،جبکہ وہ پہلا جو بندہ تھا اسکا ظاہر اور اسکا باطن دونوں مغلوب الحال بندے والے ہوں گے ،سب مخلوق سے ہٹا کٹا ہوگا، دونوں میں یہ فرق ہے تو اس سبق میں سالک کی توجہ اللہ کی طرف (بسبب کمال) ہوتی ہے۔

گارہویں سبق کی برکات

......جب بندہ ہر کام کے پیچھے سمجھتا ہے کہ اللہ نے کیا تو اس بندے پر کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ مخلوق سے امیدیں بندے کی ختم ہوجاتی ہیں اور ساری امیدوں کا منتہا اور مرکز اللہ بن جاتا ہے، مخلوق پہ امید ہی نہیں رہتی وہ سمجھتا ہے کرنا تو سب اسی ذات نے ہے۔

......دوسری بات یہ کہ مخلوق سے گلا ختم ہوجاتا ہے، اگر کوئی بندہ گالیاں دے رہا ہے کہتا ہے، یہ نہیں دے رہا وہ دلوار ہا ہے، جیسے کتے کو اگر کوئی پتھر مارے تو وہ پتھر کے پیچھے نہیں بھاگتا بندے کے پیچھے بھاگتا ہے اس کتے کو بھی پتہ ہے کہ یہ تو بے جان پتھر ہے جو اسنے پھینکا ہے اصل تو پھینکنے والا ہے تو وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہے، بالکل یہی حال سالک کا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ آکر اسکو ذلیل کرے بے عزت کرے تو وہ اس بندے سے خفا نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے یہ پتھر کی طرح ہے اصل تو کوئی اور ہے جو بھیج کر مجھے ذلیل کروایا گیا ہے، اسکی نظر اللہ پر جاتی ہے ،تو مخلوق سے اسکو کوئی شکایت ہی نہیں رہتی۔

......اور اگر اسکی کوئی تعریفیں کرتا ہے تو وہ پھولتا نہیں اس لئے نہیں پھولتا کہ یہ جانتا ہے کہ یہ تعریف نہیں کر رہا اللہ تعالی اس کی زبان سے کروار ہے ہیں جب یہ کیفیت ہوجاتی ہے تو اسکو صوفیا کی اصطلاح میں میں یوں کہتے ہیں کہ اس سبق کی کیفیات کو پورا کرنے پر سالک کی نظر میں مخلوق کی مدح اور ذم برابر ہوجاتی ہے ،کوئی تعریفیں کرے تو بندہ پھولتا نہیں کوئی برائی کرے تو بندہ پریشان نہیں ہوتا، اب دیکھیں کہ جب مدح اور ذم برابر ہیں تو ایسے بزرگوں کے منہ سے کبھی آپ کسی کی غیبت نہیں سنیں گے؟ جب انکے ذہن میں ہی نہیں ہے کہ اس نے یہ کیا تو وہ کیوں اس کی غیبت کریں گے، اسلئے اس سبق کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک تو بندوں سے شکوے ختم ہوجاتے ہیں، بندوں سے امیدیں ختم ہوجاتی ہیں اور دوسرا بندوں کی مدح اور ذم برابر ہوجاتی ہے

......اور بندے کی زبان پہ مخلوق کی غیبت کبھی نہیں آتی، جو مرضی کوئی کرتا رہے

ہمارے مشائخ کو آپ نے دیکھا کیا کیا لوگ کردیتے ہیں ظلم زیادتیاں برائیاں
کبھی تذکرہ ہی نہیں کرتے زبان سے اسلئے کہ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے کہ اس نے
کچھ نہیں کیا اس پروردگار نے کروایا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کے بیٹے کی شادی تھی اور بارات تیار تھی اور یہ
اپنے گھر میں کوئی چیز تلاش کرتے پھر رہے تھے تو بیوی نے کہا کیا تلاش کر رہے
ہو باہر بارات تیار کھڑی ہے، کہنے لگے اللہ نے مجھے الہام کیا ہے اور میں اپنے
بیٹے کے لئے کفن ڈھونڈ رہا ہوں، کہنے لگی یہ کیا بات کر رہے ہو فرمایا ہاں ابھی
الہام ہوا ہے کہ بچے کے کفن کو تیار کرو تو میں اسکا کفن ڈھونڈ رہا ہوں، انہوں نے
کہا کیوں کہ ابھی مجھے الہام ہوا ہے ابھی میاں بیوی بات کر رہے تھے کہ باہر سے
ایک لڑکا بھاگا ہوا آیا کہ جی دلہا گھوڑے پر چڑھنے لگا تھا پاؤں پھسلا گردن کے
بل گرا موت آگئی اللہ کی رضا پہ ایسا بندہ راضی ہو جاتا ہے کہ گھر کے اندر بچے کی
بارات کی خوشیاں منائی جارہی ہیں اور ان خوشیوں کے عالم میں یہ بچے کا کفن
ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اللہ کی رضا پہ اتنے راضی، تو اس سبق کی ایک خوبی یہ بھی
ہے کہ بندہ جب ہر چیز وکو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے تو پھر اللہ کی رضا میں راضی
ہو جاتا ہے، لہذا خوشی کے عالم میں اسکو پریشانی نہیں ہوتی اور غم کے عالم میں
اس کو پریشانی نہیں ہوتی، نہ خوشی اس کو شریعت سے باہر کردیتی ہے نہ غم اس کو
شریعت سے باہر کرتا ہے، واہ میرے مولی! سالک کو کیسا ایمان ملتا ہے، چنانچہ
ایسا بندہ شیطان بدبخت کے ہتھکنڈوں سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

فنائے قلبی والے ایک بزرگ

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں فرماتے ہیں ایک
بزرگ تھے انہیں شیطان نظر آیا یہ بدبخت بڑا ہی دبلا پتلا ہو گیا تھا اور بڑے جال

کندھے پہ اٹھائے ہوئے جارہا تھا بزرگ نے پوچھا کہ بھئی کیا ہوا بڑے دبلے
پتلے ہو گئے اور جال بھی بڑے لئے جارہے ہو اس نے کہا کچھ لوگ ایسے ہیں کہ
میرے اتنے جال بھی ان پر کام نہیں کرتے وہ میرے اختیار میں ہی نہیں آتے
اسی غم میں گھل کر کمزور ہو گیا ہوں، بزرگ نے پوچھا کون ہیں وہ لوگ جن پر تیرا
داؤ نہیں چلتا؟ کہنے لگا دیکھنا ہے؟ فرمایا ہاں، تو ساتھ ہی ایک گھر تھا اور اس میں
ایک بزرگ تھے جو کھڈی پہ کپڑا بنتے تھے جو کپڑا بناتے ہیں ان کی مشین پر لمبے
لمبے دھاگے ہوتے ہیں اور دھاگے سے کپڑا بنتے ہیں، تو وہ بزرگ بیٹھے کپڑا بن
رہے ہیں کھڈی چلا رہے ہیں، اب یہ شیطان جو تھا گدھے کی شکل میں آیا اور
دوڑتا بھاگتا ہوا لات جو ماری تو ان کے سارے دھاگے توڑ دیئے جب اس نے
دھاگے توڑ دیئے تو وہ بزرگ اٹھے اور آئے بسم اللہ پڑھتے اور دھاگا جوڑ دیتے
بسم اللہ پڑھتے دھاگا جوڑ دیتے، نہ گدھے پہ غصہ کیا نہ گدھے کو مارا نہ گدھے کے
پیچھے بھاگے، سارے دھاگے آکر جوڑ دیئے اور پھر کھڈی بننی شروع کردی،
تھوڑی دیر کے بعد یہ پھر گیا اور اس نے جاکر پھر سارے دھاگے توڑ دیئے وہ
پھر اٹھے اور اٹھکر پھر بسم اللہ پڑھتے دھاگا جوڑ دیتے، نہ گدھے کو گالی نکالی نہ
گدھے کے پیچھے بھاگے نہ گدھے کے مالک کو پوچھا نہ کوئی بہت پریشان ہونے
کا اظہار کیا پھر اپنا کام شروع کردیا شیطان نے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں کہ میں
ان کو اشتعال دلانا چاہتا ہوں یہ اشتعال میں نہیں آتے کوئی بات زبان سے نکالتے
ہی نہیں ہیں یہ ہیں جن کے اوپر میرا کوئی داؤ نہیں چلتا،
یہ واقعہ لکھنے کے بعد امام ربانی مجدد الف ثانیؒ آگے فرماتے ہیں کہ میرا گمان
یہ ہے کہ ان بزرگ کو فنائے قلبی حاصل ہو چکی تھی، یعنی پہلا سبق حاصل ہو چکا تھا
اور کیونکہ وہ فاعل حقیقی اللہ کی ذات کو سمجھتے تھے تو گدھا اگر دھاگا توڑ جاتا تھا تو یہ
سمجھتے تھے گدھے نے نہیں توڑا انہوں نے تڑوایا ہے، یہ ایمان ہمارے بزرگوں
کو حاصل تھا اسی لئے ان کو کوئی آکر کہتا تھا آپ کافر ہیں آپ حرام زادے ہیں،

ان کو غصہ ہی نہیں آتا تھا، پہلے ہمیں یہ باتیں ان ہونی سی لگتی تھیں کہ یہ کیا پلاسٹیک کے بنے ہوئے تھے کہ متاثر ہی نہیں ہوتے تھے کوئی ان پر گالیوں سے بھرا رقعہ بھیجتا وہ رقعہ کو پڑھ کر یہ سوچتے تھے بھیج دیا ہے اس محبوب نے کسی کو جو ہمیں یہ سنا رہا ہے ٹھیک ہے سن لیتے ہیں۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
اگر جلوت میں بیٹھے ہوں تو خلوت کے مزے آئیں
جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

یہ ایمان اس پہلے سبق پر مل جاتا ہے آپ سوچئے یہ ابھی پہلا قدم ہے اس سلوک کا تو جس سلوک کا پہلا قدم یہ ہے تو اس سلوک کا پھر آخری قدم کیا ہوگا اسلئے ہمیں چاہیئے کہ ہم طالب بن کر اس ایمان کو حاصل کرنے کی نیت سے کہ اللہ ہمیں بھی کوئی ایمان کی لذت مل جائے اور ہم بھی اس ایمان کے ساتھ آپ کی عبادت کر سکیں آپ مہربانی فرما کر ہمیں یہ اپنی نعمتیں عطا فرما دیجئے تاکہ بندگی کا کچھ ہم بھی مزہ پالیں ورنہ پھر جیسے آئیں ہیں ویسے ہی واپس چلے جائیں گے لہذا دعا مانگیں۔

دنیا میں آنا آسان صحیح معنوں میں انسان بن جانا بڑا مشکل کام، جو بنتا ہے یا بناتا ہے وہ پتہ پاتا ہے، تو یہ تجلیات افعالیہ کا سبق کرنے کے بعد اللہ رب العزت اپنے بندے کو یہ یقین، یہ ایمان، ہر چیز عطا فرما دیتے ہیں اور اگلے اسباق کی کیفیات اس سے الگ ہیں کیونکہ تجلیات الگ ہیں تو اب سوچئے کہ ہر ہر سبق کی اگر تجلیات کا وہ سبق پورا ہو جائے تو بندے کو کیا کچھ مل سکتا ہے،

اب یہ سبق عبور کرنے سے جو تجلیات ملیں گی وہ بغیر کسی محنت کے تو نہیں مل سکتیں، تو جو برکت کے لئے بیعت ہو جاتے ہیں اور برکت کے لئے پرچہ لکھ کر دیدیتے ہیں تو پھر وہ نام کی تو آگے نسبت چل پڑتی ہے لیکن اندر نعمت تو کوئی

نہیں نا، اسلئے ہمارے سلوک میں سالک کو ان اسباق سے عبور کرواتے ہیں، ہم نے کبھی اپنے مشائخ سے نہیں سنا کہ بھئی دس بارہ سال سے رابطہ بھی کوئی نہیں اور خط کے ذریعہ کسی کو کہہ دیا کہ جی ہاں آپ اس سلسلہ کو آگے شروع کر دیں، اس کا تصور ہی نہیں، جو آتا ہے آئے محنت کرے کھپائے بیٹھے جب تک عبور نہیں کرے گا ان مقامات کو وہاں تک کام نہیں بنتا، اسلئے شیخ کی صحبت میں رہنا اب کتنا ضروری ہوا، اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس شیخ کی صحبت میں رہ کر یہ ایمان بندے کو مل سکتا ہے لہذا شیخ کی صحبت میں رہنا کتنا ضروری ہے، اور پھر اس شیخ کا احسان کتنا ہوتا ہے کہ جو اس ایمان کے ملنے کا سبب بنتا ہے۔

دو باتیں

دو باتیں خاص طور پر اس موقعہ پر سمجھانی ہیں۔

(۱)......ایک تو یہ کہ ہمارے بزرگوں نے تصوف کو کبھی بھی علمی رنگ میں پیش نہیں کیا یہ کوئی کورس نہیں ہے کہ آؤ بھئی کورس کروا دیں چھٹی ہو جائے گی، یہ قال نہیں یہ حال ہے اس لئے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا مجبوری تھی کہ بعض دوست ہمارے باہر ملک سے تھے، ملاقات مشکل تھی قدرت نے ملا دیا تھا اور یہی موقع تھا تو سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ ان کو باتیں کب ہم سمجھائیں گے کب بتائیں گے تو ان کو سامنے رکھتے ہوئے پھر ہم نے کہا کہ چلو ان کو کچھ باتیں سمجھا دیتے ہیں ان مذاکروں سے اتنا کم از کم اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ کرنے والا کام ہے اور اسکے کرنے سے انسان کو کیا نعمت ملتی ہے اور پھر انسان کی زندگی کیسی ہو جاتی ہے یہ سودا آپ کو کسی اور دوکان سے نہیں ملے گا یہ انہیں خانقاہوں سے ملے گا یہ خانقاہوں میں بکتا ہے انہیں دوکانوں سے ملتا ہے اس کی مارکیٹ دنیا میں کوئی نہیں ہے نہ مدارس سے ملے گا نہ کہیں اور سے ملے گا اسی سودے کو لینے کے لئے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ انہوں نے بخاری شریف بھی پڑھ لی صحاح ستہ

بھی پڑھ لیا اتنا علم حاصل کر لیا لیکن اس سودے کو لینے کے لئے پھر حاجی صاحب
کے پاس آنا پڑا اسلئے آئے تھے مسئلے پوچھنے ہوتے تو حاجی صاحب خود ان سے
پوچھتے اسباطنی دولت کو لینے کی بات تھی اس لئے وہ حاجی صاحب کے پاس
آئے کہ حضرت آپ ہمیں یہ چیز دکھا دیجئے سمجھا دیجئے، بہرحال اب آپ کو کم
از کم یہ بات ضرور سمجھ میں آگئی ہوگی کہ یہ جو بار بار کہتے ہیں کہ بھئی اپنے معمولات
کریں اپنے معمولات کریں تو مراقبہ میں بیٹھنا کتنا ضروری ہے اور ہمیں آگے
سے جواب ملتا ہے کہ جی میں دو منٹ کرتا ہوں اور پانچ منٹ کرتا ہوں تو کیا
دو منٹ اور پانچ منٹ میں یہ ایمان مل جائے گا، محنت کرنی پڑتی ہے گھنٹوں مراقبہ
کریں ڈٹ کر مراقبہ کریں جتنا وقت ملتا ہے اتنا وقت مراقبہ کریں یہ کیفیت ہو کہ

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

بس ایسی کیفیت ہو بندے کی جب اس طرح جم کر مراقبہ کریں گے پھر یہ
نعمتیں آپ کو حاصل ہوں گی پھر اس کی اہمیت کا پتہ بھی چلے گا بہرحال دعا ہے
اللہ رب العزت ہمیں یہ حال بھی عطا فرما دے تاکہ ہم ان کیفیات کے ساتھ
زندگی گذاریں اور اپنے مالک کو خوش کر سکیں اس کی رضا کو پا سکیں۔

(۲)......دوسری بات یہ کہنی تھی کہ کہیں کہیں بات کے دوران سمجھانے کے
لئے یہ عاجز تذکرہ بھی کرتا رہا کہ ہمارے سلوک میں ایسا ہے اور دوسرے سلوک
میں ایسا ہے مگر آپ یہ ذہن میں رکھنا کہ جتنے بھی مشائخ ہیں مختلف سلوک کے وہ
تمام کاملین ہیں ہر ہر سلسلہ میں کاملین موجود ہیں تو کبھی بھی تقابل نہ کرنا یہ کبھی بھی
غلطی نہ کرنا کہ جی ہمارے بزرگ بڑے ہیں، نہیں، آپ کو کیا پتہ کس سلسلہ کے
کونسے بزرگ اللہ کے کتنے مقرب گذرے ہیں، یہ تمام سلاسل ہی مقربان بارگاہ
الٰہی ہیں، تو اسلئے کبھی بھی الفاظ ایسے نہ کہہ دینا کہ جی یہاں جو ہے وہاں نہیں،
کیا معلوم آپ کو کہ وہاں رہتے ہوئے ان بزرگوں کو اللہ نے کیا کیا نعمتیں عطا

فرمائیں، اپنا کیا قرب عطا فرما دیا، کیسے بڑے بڑے مشائخ پہاڑ جیسی شخصیتیں
ان کے اندر موجود ہیں لہذا کبھی بھی مشائخ کے بارے میں ایسی بات نہ کہیں، ہمیشہ
یہ سوچیں میں بہت چھوٹا ہوں میری زبان کو زیب ہی نہیں دیتا کہ میں بزرگوں
کے بارے میں کومنٹ کروں وہ اللہ کے مقبول بندے تھے، جیسے ایک پرائمری
اسکول کا اسٹوڈنٹ ہو اور وہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی باتیں کر رہا ہو کہ یہ اچھے ڈاکٹر
ہیں وہ اچھے نہیں ہیں، تو اس کو کیا کہیں گے تو ہماری مثال ایسی ہے کہ کچی پکی کے
اسٹوڈنٹ ہیں اور ہم ان پی ایچ ڈی ڈگریز کے بارے میں بات کر رہے ہوتے
ہیں، مشائخ کے بارے میں کبھی کچھ نہ کہنا تمام مشائخ سے محبت رکھیں، سارے
مشائخ جو گذرے وہ کاملین ہیں اور وہ ہمارے ہی مشائخ ہیں دوسرے نہیں ہیں
ہمارے ہی بڑے ہیں، میں کیوں کہہ رہا ہوں اسلئے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں
تمام سلاسل کے مشائخ کے فیوضات شامل ہیں۔

امام ربانی کا قول

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے یہ بات خود لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک
مرتبہ میں فجر کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ایک بزرگ آئے جن کا نام تھا شاہ
کمال کیتھلیؒ، کیتھل کے رہنے والے تھے انہوں نے آ کر مجھے ایک جبہ دیا اور کہا
کہ یہ جبہ پہن لیجئے۔

پس منظر یہ تھا کہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک مرتبہ جنگل میں مراقبہ
کر رہے تھے کہ یک دم ایک نور ظاہر ہوا تو جب وہ متوجہ ہوئے تو ان کو بتایا گیا
آپ سے کئی سو سال کے بعد ایک ایسا فرد فرید پیدا ہوگا کہ جو نبی علیہ السلام کی
سنت کو زندہ کرے گا اور شرک اور بدعت کو ختم کرے گا اور سنت کو وہ اپنے وقت
میں جما دے گا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی چنانچہ
انہوں نے اپنی جتنی بھی توجہات اور کمالات تھے ان کو اپنے ایک جبہ کے اندر

محلول کر دیا ڈال دیا اور اپنے بیٹے کے حوالے کیا اور کہا کہ بیٹے اس کو اپنے خاندان میں آگے چلاتے رہنا امانت کے طور پر اور جب وہ بزرگ دنیا میں آئیں تو میری طرف سے یہ ہدیہ اور تحفہ ان کو پیش کر دینا چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے دور میں جو قادریہ سلسلہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے جو لڑی میں آرہے تھے وہ شاہ کمال کیتھلیؒ تھے چنانچہ ان کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خواب میں زیارت ہوئی انہوں نے کہا کہ بھئی جو امانت بھیجی تھی ہم نے تو جن کے لئے بھیجی تھی وہ آگئے ہیں آپ ان کے حوالے کر دیں، انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ ایک نعمت چلی آرہی ہے اگر کچھ عرصہ ہماری ہی اولاد میں رہے تو کیا اچھا، تو چند دن اسی سوچ میں گذر گئے تو دوسری مرتبہ غصہ کی حالت میں خواب میں زیارت ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم اپنی نسبت کی سلامتی چاہتے ہو تو امانت کو ﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَهْلِهَا﴾ جب ان کو یہ خواب آیا تو وہ اٹھے اور سفر کر کے سرہند پہنچے فجر کی نماز کے بعد کا وقت تھا تو انہوں نے اس وقت یہ جبہ حضرت کے سپرد کیا حضرت نے اس جبہ کو زیب تن کیا فرماتے ہیں کہ نقشبندیہ نسبت اور قادریہ نسبت کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ غلبہ ہوا تو تھوڑی دیر کے لئے قادریہ نسبت غالب آئی اب عالم ارواح میں قادریہ سلسلہ کے بزرگوں کی ارواح اور نشقبندیہ سلسلے کے بزرگوں کی ارواح ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ ہوا نقشبندیہ سلسلے کے بزرگ فرماتے تھے کہ یہ سلوک سیکھا ہے باقی باللہؒ سے ہمارے سلسلہ کے یہ بزرگ ہیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ میں نے سینکڑوں سال پہلے نسبت ان کی طرف بھجوائی تھی آج وہ نسبت پہنچی تو میرا حق فائق ہے کہ یہ قادریہ سلسلہ کے بزرگ کہلائیں ابھی یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ چشتیہ سلسلے کی ارواح جو تھیں ان کا بھی وہاں ورود ہوا تو چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی ارواح نے یہ دلیل دی کہ ان کے والد جو تھے وہ چشتیہ سلسلہ کے تھے اور ایک مرتبہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ان کو ملنے کے لئے آئے تھے تو اس وقت یہ بچے تھے

تو والد نے برکت کے حصول کے لئے اپنے بچے کو ان بزرگ کی گود میں دیا تھا تو انہوں نے ان کے لئے دعا بھی کی تھی اور فرط محبت میں انہوں نے اپنی زبان ان کے منہ میں ڈال دی تھی تو اس بچے نے جب زبان کو چوسا تھا تو چشتیہ سلسلہ کی نسبت کا فیض ان کے قلب میں منتقل ہو گیا تھا اتنا کہ انہوں نے یوں کہا کہ بھائی کچھ تو ہماری اولاد کے لئے رہنے دو کچھ تو ہماری اولاد کے لئے رہنے دو تو انہوں نے کہا کہ بچپن سے چشتیہ نسبت منتقل ہو گئی تھی تو یہ تو چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ہونے چاہئیں اسی طرح سہروردیہ سلسلہ تو چاروں سلاسل کے بزرگوں کی جو ارواح تھیں متمنی تھیں کہ یہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ کہلائیں دلائل دیتے تھے،

چنانچہ معاملہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا اور سب نے اپنے اپنے دلائل دیئے تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سارے بزرگوں کو کہ آپ سارے اپنے اپنے سلسلہ کی جو نسبت ہے پہلے ان میں القاء کریں پھر میں فیصلہ کرتا ہوں چنانچہ قادریہ سلسلہ چشتیہ سلسلہ سہروردیہ سلسلہ اور نقشبندیہ سلسلہ سارے بزرگوں نے اپنے فیوضات القاء کئے اس کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ نقشبندیہ سلسلہ میں اتباع سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور یہ نسبت دعوت و تبلیغ کے زیادہ مناسب ہے اسلئے یہ ظاہر میں نقشبند؟ یہ سلسلہ میں کام کریں گے مگر جتنا کام ان سے پھیلے گا ثواب کے امیدوار چاروں سلاسل کے بزرگ ہوں گے، چنانچہ یہ نقشبندیہ نسبت کہلاتی ہے، اب سمجھ میں بات آئی کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے سولہ اسباق کو جو پینتیس بنایا تو کیا اضافہ ہوا

کئی دن سے ہمارے ایک دوست بحث کر رہے تھے کہ جی نقشبند بخاریؒ کے یہاں سولہ اسباق تھے تو پینتیس کیسے ہو گئے تو پینتیس ایسے ہو گئے تو اللہ رب العزت نے اس نسبت کو کامل کر دیا تمام بزرگوں کے کمالات کا جامع بنا دیا یہ شان جامع بن گئی یوں سمجھ لیں اب اس کی وجہ سے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے پھر اسباق کو کھولا اور پینتیس تک بنا دیا چنانچہ یہ مجدد الف ثانی یعنی ہزار سال جو

تھے اسمیں جو فیض بھی امت میں ملے گا جس کے قلب میں جائے گا وہ نبی علیہ السلام کے قلب سے ہوتا ہوا امام ربانی کے قلب سے اس بندے کے قلب میں جائے گا اسلئے اس سلسلہ کے کام کا ثواب صرف نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں کو نہیں ملتا بلکہ چاروں سلاسل کے بزرگوں کو ملتا ہے اسلئے پھر امام ربانی مجدالف ثانیؒ نے اپنے مکتوب میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ امام مہدی جب آئیں گے وہ بھی اسی نسبت کے حامل ہوں گے باقاعدہ لکھا ہے ہمیں پہلے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن اتنی بات تو سمجھ آتی تھی کہ وہ تشریف لائیں گے تو صاحب نسبت تو ہوں گے تو نسبت چاروں میں سے کوئی نہ کوئی ایک تو ہوگی چاروں میں سے جو بھی ہونی ہے یہ تو چاروں کا مجموعہ ہے تو اسلئے جو بندہ کسی پر اعتراض کر رہا ہے وہ اپنے پر اعتراض کر رہا ہے، یہاں یہ نہیں ہے کہ یہ سلسلہ وہ سلسلہ نہیں یہ تو سب سلسلوں کا فیض ہے یہاں ہمیں بھی اگر کچھ ملا ہے تو اسمیں تمام سلسلہ کے بزرگوں کا حصہ موجود ہے تو ہم کیوں یہ الفاظ کہیں، ہم یہ الفاظ نہیں کہہ سکتے کبھی مشائخ کا تقابل نہ کرنا کبھی سلسلہ کے اسباق کا اور اسکا تقابل نہ کرنا سمجھانے کے لئے چونکہ تھوڑے وقت میں مجھے سمجھانا تھا تو اسلئے مجھے کچھ آسان کر کے سمجھانے کے لئے بعض جگہ ایسی باتیں کہنی پڑیں مگر وہ سمجھانے کی نیت سے تھیں تو اب آپ ایک تو اس کو قال مت سمجھنا یہ حال ہے ہم نے جو یہ بات اس طرح بیٹھ کر کی یہ مجبوری میں کی یہ عذر تھا ہمارا، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس عذر کو قبول فرمائیں گے اور دوسری بات یہ کہ مشائخ کے بارے میں ہمیشہ ادب اور احترام سے گفتگو کریں اور کبھی بھی ایک سلسلہ کو دوسرے پر فضیلت دینے والا کام نہ کریں ہم کچی پکی کے اسٹوڈینٹ ہیں ہمیں پی ایچ ڈی ڈاکٹروں کی باتیں کرنے کا زیب ہی نہیں دیتا، ہماری اوقات ہی نہیں ہے اتنی تو یہ چند باتیں ذرا آپ کو بتادیں اسکا تذکرہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہاں یہ ہوا اور یہ نہیں ہوا کیا ضرورت ہے کہنے کی بس اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں چند وہ

باتیں جو پہلے نہیں سمجھ میں آتی تھیں اب اللہ تعالی نے ان کی سمجھ عطا فرمادی، اللہ تعالی خیر فرمائیں اور ہمیں یہ نعمتیں باقاعدہ ظاہر میں نصیب بھی فرمادیں۔

وآخر دعوانا عن الحمدللہ رب العلمین

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے
لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے
آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

لطائف کی نسبت

از افادات

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

فہرست عناوین

اللہ اللہ اللہ

اقتبـــــــاس

اگر ساری زمین کعبہ بن جائے اور سارے انسان ابوبکر صدیقؓ کے مانند بن جائیں اور ساری زندگی عبادت میں گذادیں پھر بھی اللہ رب العزت کی شان میں کوئی اضافہ نہیں گا

اور اگر ساری دنیابت خانہ بن جائے اور سارے انسان فرعون نمرود اور شداد جیسے نافرمان بن جائیں پھر بھی اللہ رب العزت کی شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی، وہ بلند و بالا ذات ہے انسان اس دنیا میں جو بھی اعمال کرتا ہے وہ اپنی عاقبت اور آخرت سنوارنے کے لئے کرتا ہے انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے آکر سمجھایا کہ لوگوں اگر تم ایسی شان والی ذات سے تعلق جوڑنا چاہتے ہو تو ہمارے نقش قدم پر چلو اگر تم اتنی عظیم ہستی سے نفع اٹھانا چاہتے ہو تو تم ہماری باتوں کی پیروی کرو، جیسے ہم زندگی گذار رہے ہیں اگر تم اسی طرح زندگی گذاروگے دنیا میں بھی کامیابی ہوگی اور آخرت میں بھی کامیابی ہوگی اور جن لوگون نے بھی کام کیا وہ قلیل تھے یا کثیر تھے وہ گورے تھے یا کالے تھے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پہ رہتے تھے یا زمین کی پستیوں میں رہتے تھے جہاں بھی تھے اللہ رب العزت نے انکو کامیاب کردیا۔

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد!

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم ☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

انسان عالم خلق اور عالم امر کا مجموعہ ہے، جسم کا تعلق عالم خلق کے ساتھ ہے اور روح کا تعلق عالم امر کے ساتھ ہے،

روح کو اللہ رب العزت نے جب اپنے پیارے بندوں پر منکشف کیا تو انہوں نے دیکھا کہ اس کا تعلق جسم کی کچھ جگہوں کے ساتھ خاص ہے اور پورے جسم کے ساتھ عام ہے، جن جگہوں کے ساتھ خاص ہے اس کو انہوں نے لطائف کہہ دیا۔

لطائف کی تعداد

چنانچہ وہ پانچ لطائف ہیں اور انکی جگہ سینہ میں ہے'' قلب، روح، سر، خفی اور اخفی'' پھر جسم کو انہوں نے دو لطائف میں تقسیم فرمایا ایک انسان کا نفس اور ایک قالب، قالب چونکہ چار اجزاء سے مل کر بنا لہذا آگ، پانی، مٹی اور ہوا، پانچواں ہوگیا نفس تو گویا یہ پانچ چیزیں عالم امر کی اور پانچ چیزیں عالم خلق کی۔

لطائف کی نسبت

ان لطائف کی آپس میں نسبت ہے،
قلب کی نسبت ہے نفس کے ساتھ،
روح کی ہوا کے ساتھ،
سر کی پانی کے ساتھ،
خفی کی آگ کے ساتھ
اور اخفی کی مٹی کے ساتھ،

ہمارے اس سلوک میں جو اسباق کی ترتیب ہے وہ یہ کہ ساری دنیا سے بندے کی توجہ ہٹاؤ اور اللہ کے ذکر پر لگاؤ ''قلب، روح، سر، خفی، اخفی'' کا سبق کریں نفس کا سبق کریں، سلطان الاذکار (قالبیہ) کا سبق کریں حتی کہ بندے کے وجود میں اللہ اللہ ہر وقت رہے، اب یہ باقی مخلوق سے تو کٹ گیا لیکن اسکے اندر جو اللہ اللہ کے ذکر کی ایک لذت، کیفیت، احساس موجود ہے یہ چیز بھی تو مخلوق ہے لہذا اب ہمارے مشائخ نے اس کو لا الہ الا اللہ کا ذکر کروایا اس کو کہتے ہیں ''تہلیل خفی'' اور ''تہلیل لسانی'' تو ان دونوں کے اسباق کرنے سے وہ جو اللہ اللہ کا ایک دھیان تھا کیفیت تھی اس کو بھی محو کر دیا حتی کہ دل کی تختی بالکل صاف کر دی،

اسکے بعد اس کو کہا کہ اب تم مراقبہ احدیت کا سبق کرو جو مقام فنا ہے، تو اسمیں بندہ یہ نیت کرتا ہے کہ
''فیض می آید از ذاتے کہ مستجمع جمیع صفات کمال است و منزہ از ہر نقصان و زوال است و مورد فیض لطیفہ قلب من است''

یہ اللہ اللہ کا مراقبہ نہیں ہے یہ فکر کا مراقبہ ہے، صرف دھیان کر کے بیٹھ جانا ہے، اور دیکھو کہ اللہ رب العزت بندے کی سوچ کے مطابق اسکے ساتھ

معاملہ کرتے ہیں [اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ] میں بندے کے ساتھ اسکے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں [وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی] اور انسان جو نیت کرتا ہے اسکو وہ ملتا ہے، دیکھو یہ حدیث کیسے کھلتی ہے کہ یہ نیت کر کے بیٹھا ہے کہ تجلیات افعال کا فیض آئے گا تو وہ آ رہا ہے، شیونات کا فیض آئے گا تو وہ آ رہا ہے، تجلیات سلبیہ کا فیض آئے گا تو وہ آ رہا ہے، اللہ تیری شان! صرف بندے کی سوچ کے اوپر اللہ تعالی کی طرف سے اس جگہ پر فیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔

بنیادی کام کی تکمیل

جب انسان نے یہ مراقبہ فنا کا کر لیا اور اس کے لطائف کو اپنی اپنی اصل میں فنا حاصل ہو گئی سیور اربعہ حاصل ہو گئے ''سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر من اللہ، سیر فی الاشیاء، تو اب ان لطائف کے اوپر ابتدائی بنیادی کام ہو گیا بیس کوٹ ہو گیا، جیسے کوئی گاڑی پر کلر کروانا ہو تو گاڑی لے جاتے ہیں کہ جی اس پر ڈینٹ پڑ گیا تو ذرا اسکی ڈینٹنگ پینٹنگ کر دیں تو پہلے تو اسکو وہ ٹھوک بجا کر سیدھا کرتے ہیں اسکے بعد پھر پٹین بھر کر اس کا بیس کوٹ کرتے ہیں، اس بیس کوٹ کے اوپر فائنل کوٹ ہوتا ہے، تو یہ اللہ اللہ کا جتنا مراقبہ تھا یہ سارا کا سارا ان لطائف کے لئے بیس کوٹ تھا، جب وہ ہو گیا تو اب اس کے اوپر تجلیات کا فائنل کوٹ ہوتا ہے

چنانچہ لطیفہ قلب کے اوپر تجلیات افعالیہ کا کوٹ ہوتا ہے
لطیفہ روح کے اوپر تجلیات صفات ثبوتیہ کا کوٹ ہوتا ہے،
لطیفہ سر کے اوپر شیونات ذاتیہ کا کوٹ ہوتا ہے
لطیفہ خفی کے اوپر تجلیات سلبیہ کا کوٹ ہوتا ہے
اور لطیفہ اخفی کے اوپر شان جامع کا کوٹ ہوتا ہے

تجلیات افعالیہ کے سبق کو اس عاجز نے تھوڑا کھولا تھا، لیکن جن کے اسباق آگے ہیں ان کے سامنے میں ان شاء اللہ باقی بھی ہر ہر لطیفہ کو کھول سکتا ہوں ہر

ایک کے سامنے کھولنا اچھا نہیں ہے تو ایک اندازہ ہو گیا کہ ان تجلیات کا سبق کرنے سے بندے کے ایمان میں یقین میں کیفیات میں کیا فرق آتا ہے ایمان اس کا کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے﴿وَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ ہر سبق پہ بندے کا ایمان بڑھتا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی آمد

تو آج ایک بات آپ کو مزید بتانی ہے وہ بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے انبیاء میں سے کچھ انبیاء خاص ہیں انبیاء تو سارے تھے ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش،

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوحًا وَّآلَ اِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِينَ﴾ ''اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام آل ابراھم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی،،

چنانچہ چھ انبیاء یہ بنتے ہیں ایک آدم علیہ السلام اسلئے کہ آدم علیہ السلام جدامجد ہیں سب کے جسمانی اعتبار سے باپ بنتے ہیں سب ان کی اولاد ہیں، جدامجد ہونے کے ناطے ایک شرف واعزاز حاصل ہے جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا،

☆ پھر ان کے بعد نوح علیہ السلام کا نام آیا نوح علیہ السلام کا اعزاز کیا ہے؟ عام بندہ تو نہیں سمجھ سکتا لیکن ان کا بھی اعزاز ہے ان کو آدم ثانی کہا جاتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ آدم ثانی اسلئے کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح آیا اور سب فوت ہو گئے اور کچھ نوح علیہ السلام کی کشتی کے لوگ بچے تھے تو دوبارہ نئے سرے سے انسان کی نسل پھیلنی شروع ہوئی، نہیں یہ وجہ نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اس دنیا میں جو تشریف لائے تو وہ علم الاشیاء لے کر آئے تھے﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام دیدیئے تھے کیسے نام بتادیئے؟ اس طرح نہیں کہ ادھر فرشتے کھڑے ہوں، ادھر آدم علیہ السلام پھر ان کو کھڑے

کر کے بتادیا کہ اس چیز کا یہ نام ہے اس کا یہ نام ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے خمیر میں ان چیزوں کی فہم کا علم رکھ دیا تو اپنی فطرت سے وہ ان چیزوں کے نام پہچانتے تھے، چنانچہ جب آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے چیزوں کے نام بتادیئے تو علم الاسماء یا علم الاشیاء یہ آدم علیہ السلام کا اعزاز ہے،

چنانچہ آدم علیہ السلام جب دنیا میں آئے تو دنیا میں کسی چیز کا کچھ بھی نام نہیں تھا تو کسی نے تو نام رکھنا ہی تھا، ہم جو اس کرسی کو کرسی کہتے ہیں، اس کو زمین کہتے ہیں اس کو آسمان کہتے ہیں اس کو چھت کہتے ہیں آخر کبھی کسی نے تو یہ نام رکھیں ہوں گے، تو آدم علیہ السلام کی زبان سریانی تھی اپنی زبان میں انہوں نے اس وقت چیزوں کے نام رکھے یہ درخت ہے یہ پہاڑ ہے یہ پھل ہے جو آج بدلتے ہوئے نام ہمارے پاس پہنچے ہوئے ہیں ان کے اصل نام ابتدا میں حضرت آدم علیہ السلام نے بتلا دیئے تھے، چنانچہ ان کی جو اولاد آگے بڑھی تو انہوں نے کہنا شروع کردیا کہ یہ درخت ہے یہ روٹی ہے یہ پانی ہے تو یہ نام رکھنے کا اعزاز آدم علیہ السلام کو ملا، آدم علیہ السلام نے یہ نام متعین کردیئے۔

☆ پھر اسکے بعد ایک اور پیغمبر آئے جن کا نام حضرت ادریس علیہ السلام تھا، حضرت ادریس علیہ السلام اللہ کی طرف سے علم قلم لے کر آئے، چنانچہ اس سے پہلے انسانوں کو بولنا آتا تھا نام لینے آتے تھے ہاتھ سے لکھنا نہیں جانتے تھے، تو وہ کاتب حضرات کے امام بنے، یہ بھی تو ایک فن ہے جو چل رہا ہے، تو ادریس علیہ السلام نے آ کر ان چیزوں کو لکھنا شروع کیا وہ اس وقت کی خوش خطی کی طرح نہیں تھی بس کسی چیز کو لکھنا ہوتا تو ایک علامت بنا دیتے تھے، وہ انکی اپنی زبان تھی ان علامتوں سے لوگ سمجھ جاتے تھے اس طرح ان کو مقصود کلام حاصل ہو جاتا تھا، تو یہ لکھنے کا فن اللہ نے ادریس علیہ السلام کے ذریعہ سے بھیجا تو انسانیت کو بولنا بھی آ گیا لکھنا بھی آ گیا، انسانیت جوان ہوتی گئی جیسے بچہ ہوتا ہے لڑکپن کی

عمر کو آجاتا ہے۔

☆ حلال اور حرام کا اس وقت ایک موٹا تصور تھا جیسے قتل کرنا منع ہے، یہ تصور تھا لیکن باقاعدہ شریعت کا ڈھانچہ نہیں تھا، حلال اور حرام کا علم ایک ڈھانچے کے طور پر اللہ تعالی نے حضرت نوح علیہ السلام کو عطا کیا نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر تھے جو علم الحلال والحرام لے کر دنیا میں آئے اب ایک شریعت کی باقاعدہ شکل بنتی گئی یہ حلال ہے یہ حرام ہے، آپ یوں سمجھیں کہ بعض لوگ محض کچھ کتابیں پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ کسی کورس کے مطابق پڑھتے ہیں تو کورس کے مطابق پڑھنا اور ہے اور شخصی مطالعہ اور ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ ان سے پہلے شخصی مطالعہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام ایک نصاب لے کر آ گئے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، اب ایک نکتہ کھلا کہ بخاری شریف میں امام بخاریؒ ایک آیت لائے ہیں ﴿اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ﴾ اے میرے حبیب ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی ﴿کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ﴾ تو طالب علم کے ذہن میں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا نام کیوں نہیں لیا؟ جدامجد تو آدم علیہ السلام تھے تو کہنا تو یہی چاہئے تھا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی جیسے ہم نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی، سلسلہ تو وہاں سے ہی شروع ہوا تھا، ایسا نہیں کیا بلکہ جہاں سے یہ نصاب شروع ہوا تھا اسی کا تذکرہ کیا، یہ حضرت نوح علیہ السلام سے سلسلہ شروع ہوا اسلئے جب نصاب کی بات آئی تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ آپ کی طرف بھی وحی بھیجی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی تھی۔

کائنات کی روحانیت کی تکمیل

اچھا اب اگلی بات سنئے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ﴾ کہ ہم نے آدم کو پسند کر لیا اسلئے کہ جسمانی باپ ہونے کے لحاظ سے نمایاں ہیں کہ ان کی ایک امتیازی شان ہے ﴿وَنُوْحًا﴾ اور نوح علیہ السلام

5

کو، کیوں کہ دنیا میں حلال وحرام کی شکل میں اللہ کی شریعت لانے والے وہ ہیں وہاں سے یہ سلسلہ شروع ہوا اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے بچہ پیدا ہوتا ہے تو پہلے دن اس کو ایک کپڑا لپیٹ دیتے ہیں، اس کے لئے یہ کپڑا ہی بہت ہے وہ تھوڑا بڑا ہوتا ہے تو اس کپڑے کو اور بہتر کر دیتے ہیں پھر بہتر کرتے کرتے اس کو ایک کچھا پہنانا شروع کر دیتے ہیں تو اس کا شروع کا لباس بس یہی ہے پھر جب وہ بچہ بڑا ہونا شروع ہو جاتا ہے تو اسکو سب سے پہلے کرتہ پہنا دیتے ہیں مگر وہ کرتہ بہت ڈزائن والا نہیں ہوتا، پھر تھوڑا اور بڑا ہوتا ہے تو اس کو ایک پاجامہ نما کوئی چیز پہنا دیتے ہیں اس طرح آہستہ آہستہ اس کا لباس ایک شکل اختیار کرتا ہے، تو جب اس نے لباس پہنا تو عمر کہیں پانچ سات مہینہ ہو چکی تھی بالکل یہی انسانیت کی مثال تھی کہ جب انسانیت آئی تو شروع میں اس کو ضرورت کے مطابق صرف ایک مختصر لباس مل گیا، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اس کو شریعت کی ایک پوشاک پہنا دی گئی، یہ پہلا لباس تھا پھر اس کے بعد بچہ بڑھتا رہتا ہے تو اسکے ہر چھ مہینہ بعد کپڑے نئے بنتے ہیں اتنا تیزی سے اس کا قد بڑھتا ہے حتی کہ ستائیس سال کے بعد بندہ ایک ایسی عمر کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا قد اب فکس ہو جاتا ہے اب اسکی شلوار کی اونچائی اور کرتے کی لمبائی ساری عمر کے لئے وہی رہتی ہیں پھر نہیں بدلتے پھر اب ساری عمر جو ہے درزی کے یہاں وہی سائز چلتا ہے، یہی حال شریعت کا ہے کہ شروع میں مختصر لباس تھا پھر لباس شروع ہوا نوح علیہ السلام کے ذریعہ سے مگر شریعت میں تبدیلیاں آتی گئیں حتی کہ جب نبی علیہ السلام تشریف لائے تو انسانیت اپنی جوانی اور کمال کو پہنچ چکی تھی اللہ نے ان کو جو شریعت کی پوشاک دی اب یہ ایک ایسا سائز ہے جو قیامت تک انسانیت کے لئے کافی ہے اب کسی نئے دین کی ضرورت نہیں، تو اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو، نوح علیہ السلام کو اور آل ابراھیم کو چن لیا تو ابراھیم علیہ السلام بھی چنے گئے اور آگے ان کی نسل میں حضرت موسی علیہ السلام بھی تھے وہ بھی چنے گئے کیونکہ

ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور آگے ان کی نسل سے بنی اسرائیل چلے اور بنی اسرائیل میں موسی علیہ السلام تھے تو موسی علیہ السلام بھی چنے گئے اور پھر اللہ تعالی نے اس دنیا میں اپنے حبیب ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ایک پیغمبر علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے باقاعدہ آپ کی تشریف آوری کا اعلان کیا، جیسے دنیا کا بھی دستور ہے کہیں بھی محفل لگتی ہے تو مہمان خصوصی کے آنے سے پہلے اسٹیج پر کوئی نہ کوئی اعلان کرتا ہے کہ اب فلاں فلاں حضرت تشریف لا رہے ہیں یہ ہمیشہ کا دستور ہے کبھی بھی مہمان خصوصی ویسے نہیں آکر کھڑا ہو جاتا، اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام میں سے یہ کام حضرت عیسی علیہ السلام سے لیا چنانچہ وہ تشریف لائے اور انہوں نے کہا ﴿یَأتِیُ مِنۢ بَعۡدِیۡ اسۡمُہٗ اَحۡمَدُ﴾ کہ میرے بعد ایک پیغمبر علیہ السلام آرہے ہیں ان کا نام احمد ہوگا اور پھر وہ اعلان کرنے والا کہتا ہے کہ اب میں آپ کے اور انکے درمیان حائل ہونا نہیں چاہتا تو حضرت عیسی علیہ السلام نے بھی یہی کیا اتنی جلدی ایک طرف ہوئے کہ موت کا بھی انتظار نہیں کیا وہ آسمانوں پر پہنچ گئے، بھئی پھر اعلان کر کے کہیں تو بیٹھنا ہوتا ہے اسلئے کہ جب مہمان خصوصی جاتا ہے تو فائنل کلمات بھی پھر اعلان کرنے والے کو کہنے پڑتے ہیں لہذا اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا ﴿بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ﴾ کہ دنیا تو حدوث والی چیز ہے یہاں رہیں گے تو پھر جسم کے اوپر اس کے اثرات ہونگے آؤ میرے پاس آسمانوں پر ہم آپ کو وہاں بٹھائیں گے سینکڑوں سال گذر جائیں گے جب مہمان خصوصی اس دنیا سے اپنا کام کر کے چلے جائیں گے تو ہم آپ کو دوبارہ آخری اناؤنسمینٹ کے لئے بھیجیں گے لہذا ایک وقت آئے گا کہ حضرت عیسی علیہ السلام پھر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔

منتخب چھ انبیاء

تو اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام ابراھیم علیہ السلام موسی علیہ

السلام اور عیسی علیہ السلام اور پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام ہی کی نسل سے سیدنا رسول اللہ ﷺ کو بھیجا، یہ چھ حضرات اللہ کے چنے ہوئے ہیں ان کی ایک نمایاں حیثیت ہے اور یہ چیز قرآن پاک سے ثابت ہے۔

پانچ لطائف اور پانچ انبیاء

اب ہمارے مشائخ نے کہا کہ یہ جو پانچ لطائف ہیں ان چھ حضرات میں سے ہر ایک کو کسی خاص لطیفہ سے فیض ملا، چنانچہ آدم علیہ السلام کو جو فیض ملا اللہ تعالی کی طرف سے ملا نبی علیہ السلام کے واسطے سے ملا۔

یہ بھی مزے کی بات ہے آدم علیہ السلام کو فیض دیا اللہ نے مگر ذریعہ کون بن گئے نبی علیہ السلام، دیکھیں بارش کون برساتا ہے؟ اللہ، بادل اسکا ذریعہ بن جاتے ہیں، اولاد کون دیتا ہے؟ اللہ، ماں باپ ذریعہ بن جاتے ہیں، تو دلوں کے اندر نور کون دیتا ہے؟ اللہ، شیخ مرشد اسکا ذریعہ بن جاتے ہیں تو ذریعہ بننے میں ہمیں کیا اشکال ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے تمام انبیاء کو جو فیض دیا تو سید الانبیاء ﷺ کے واسطے سے دیا بلا واسطہ فیض نہیں ملا، مخلوق اور اللہ تعالی کے درمیان سید البشر ﷺ ایک واسطہ بنے، ایسا نہیں ہے کہ ان تمام انبیاء کے درجات برابر ہوں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ﴿وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ﴾ کہ مخلوق میں میں نے اپنے محبوب کا ذکر بلند کیا۔

اب لیا جائے گا میرا نام بھی تیرے نام کے ساتھ

اے محبوب ہم نے آپ کا ذکر اتنا اونچا کیا کہ جہاں میرا نام آئے گا وہاں تیرا نام بھی آئے گا، اور بات بھی ایسی ہی ہے چنانچہ کلمہ طیبہ میں دیکھو، نماز میں دیکھو، اذان میں دیکھو جہاں دیکھو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام ہے، چنانچہ ان انبیاء کو بھی جو فیض ملا وہ بھی نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے ملا، آپ آخر میں تشریف

لائے لیکن فرماتے ہیں[اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ] سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا تھا۔

ہر نبی کا ایک نمایا لطیفہ

حضرت آدم علیہ السلام

آدم علیہ السلام کا جو نمایاں لطیفہ تھا وہ ''لطیفہ قلب'' تھا تو انکے لطیفہ قلب میں جو فیوضات پہنچے وہ تجلیات افعالیہ کے ذریعہ پہنچے اور نبی ﷺ کے لطیفہ قلب کے ذریعہ پہنچے تو اللہ تعالی نے تجلیات افعالیہ کا فیض نبی ﷺ کے لطیفہ قلب پر اور نبی ﷺ کے لطیفہ قلب سے حضرت آدم علیہ السلام کے قلب تک پہنچایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اس سبق کے ساتھ مناسبت دوسروں سے زیادہ تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام

لطیفہ روح کی جو تجلیات ہیں ان کو صفات ثبوتیہ کہتے ہیں، علم، سمع، بصر یہ جتنے بھی ہیں اسمیں دو انبیاء شریک ہیں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراھیم علیہ السلام، اسلئے کہ تجلیات، صفات ثبوتیہ والی تھیں تو یہاں پر پکا ہونا چاہئے تھا، ایک کی جگہ دو ہونے چاہئیں تھے، دوسری تجلیات میں ایک ایک نبی ہیں اور جو ''صفات ثبوتیہ'' ہیں اسمیں دو انبیاء ہیں ابراھیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام۔

حضرت موسی علیہ السلام

حضرت موسی علیہ السلام کو جو فیض ملا وہ نبی ﷺ کے لطیفہ سر کے ذریعہ سے ملا ''شیونات ذاتیہ'' کا فیض ان کے ''لطیفہ سر'' کو ملا اور واقعی جس پر محبوب کی کوئی جھلک پڑے پھر وہ مست ہوتا ہی ہے اسلئے حضرت موسی علیہ السلام اللہ کی محبت میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں وہ محبّ تھے، کیوں؟ شیونات ذاتیہ کا فیض پایا تھا تو مستی تو ہونی ہی تھی محبوب کی محبت بھی ایسی ہونی تھی کہ نبی ہیں پھر کہہ رہے ہیں

﴿رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ دیکھے بغیر میں نہیں رہ سکتا، اصل میں کہنے کا مفہوم یہ ہے یا اللہ میں نہیں رہ سکتا، سبحان اللہ!

اچھا یہاں ایک عجیب بات ہے کہ نبی ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو سارے انبیاء عالم ارواح میں تھے لیکن جب نبی ﷺ وہاں سے آئے تو راستے میں موسی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، توانہوں نے کہا کیا ملا؟ کہا: تحفہ ملا، کتنا؟ پچاس نمازیں، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میری امت کو تھوڑی سی پڑھنی تھیں بڑی مشکل تھی، تو ذرا ایک دفعہ جائیں درخواست کرلیں لہذا نبی ﷺ پہلی مرتبہ تشریف لے گئے پینتالیس ہوگئیں پھر گئے چالیس ہوگئیں، اسی طرح نو مرتبہ تشریف لے گئے تو پچاس کی جگہ پانچ رہ گئیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا اب تو جاتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے اتنی تھوڑی ہیں، ہم جیسا ہوتا تو کہتا کہ ایک دفعہ اور ہی چلے جاتے کہ ایک جھٹکے میں کام ہوجاتا لیکن نہیں یہ تو نفس کہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم بڑی خیر سے محروم ہوجاتے، اللہ تعالی نے فرمایا کہ میرے یہاں دستور ہی یہ ہے کہ [مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا] امت پڑھے گی پانچ لیکن ثواب پچاس کا لکھا جائے گا، میں پچاس ہی کا ثواب دوں گا، پینتالیس فیصد ڈسکاؤنٹ دیدیا ہے، اب جو پانچ ہیں ان شاء اللہ اس پر پورا ثواب ملے گا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء میں سے حضرت موسی علیہ السلام ہی کیوں بیٹھے تھے؟ حضرت آدم علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام، حضرت ابراھیم علیہ السلام بڑے نمایاں حضرات تھے، انمیں سے کوئی کیوں نہ بیٹھا تھا موسی علیہ السلام ہی بیٹھے تھے، تو یہاں ہمارے مشائخ نے نکتہ لکھا ہے کہ جب ہمارے نبی نے انبیاء کی امامت کروائی اور انبیاء کو پتہ چلا کہ جارہے ہیں اللہ کے دیدار کے لئے تو جو عاشق تھے وہ مچل اٹھے کہنے لگے اللہ میں تو دیکھ نہیں سکا تھا اگر یہ تیرے محبوب ہیں یہ تجھے دیکھنے جارہے ہیں میں راستے میں بیٹھوں گا آپ کو نہیں دیکھ سکتا آپ کو دیکھ کر آنے والے کی سب سے پہلے میں زیارت کروں گا، اللہ اکبر! میں دیدار کروں

گا اور پھر انہوں نے جو مشورہ دیا تھا وہ اپنے لئے دیا تھا ایک دفعہ دیکھ کر آئیں ہیں ایک دفعہ اور چلے جائیں اچھا ایک دفعہ دیکھ کے آئے ایک دفعہ اور چلے جائیں، سبحان اللہ سبحان اللہ، عاشق جو ہیں عاشق ہوتا ہی ایسا ہے تو خیر لطیفہ سر کے ساتھ شیونات کا تعلق ہے اور شان کہتے ہیں کسی کی آن کو، نخرے کو۔

ایک ہوتا ہے حسن اور ایک حسن کے اوپر بندے کا ناز، نخرہ، ناز کو شان کہتے ہیں تو اللہ رب العزت کی شان کے جو فیوضات تھے وہ نبی علیہ السلام کے لطیفہ سر سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ملے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

پھر اس کے بعد ''صفات سلبیہ'' اللہ کی وہ صفات جن میں لینا اور دینا ہوتا ہے ، جیسے اللہ تعالیٰ محی ہیں ممیت ہیں دیتے بھی ہیں لیتے بھی ہیں تو یہ ساری صفات سلبیہ ہیں جہاں بھی لینا پایا جائے گا وہ صفات سلبیہ بنیں گی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صفات سلبیہ کا فیض نبی علیہ السلام کے لطیفہ سر کے ذریعہ سے ملا تھا اور ان کو لطیفہ خفی کے ساتھ خصوصیت تھی، اسلئے کہ ان کی زندگی میں اسی چیز نے نمایاں ہونا تھا اس طرح کہ اللہ رب العزت نے ان کو ایسے معجزات دیئے ﴿وَاُبْرِءُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ وہ بیماریوں کو سلب کر لیتے تھے، مادرزاد نابینا کے اندھے پن کو سلب کر لیا تو اس کو بینائی مل گئی، برص والے کی برص کی بیماری سلب کر لی بالکل ٹھیک ہو گیا، انکی توجہات سلبی تھیں چونکہ صفات سلبیہ ان پر وارد ہو رہی تھیں تو اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صفات سلبیہ کے ساتھ مناسبت زیادہ تھی تو ایسا بندہ پھر دنیا میں شادی کر کے رہ سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی فقیرانہ زندگی تھی وہ اس طرح کہ انہوں نے سب کچھ پھینک دیا کہ بس ایک تکیہ چاہیے سونے کے لئے اور ایک پیالہ چاہیے، جس سے پانی پی لیا کروں گا ، پھر ایک بندے کو دیکھا کہ سر کے نیچے وہ اپنا ہاتھ رکھ

کر سویا ہے تو کہا کہ تکیہ کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تکیہ بھی صدقہ کر دیا پھر آگے جا کر دیکھا کہ ایک بندہ چلو میں پانی پی رہا ہے تو کہنے لگے کہ پیالے کی کیا ضرورت ہے؟ پیالہ بھی اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا، یعنی ان کی زندگی اس طرح تھی جیسے کوئی فرد ہو کر اللہ کے لئے زندگی گذارتا ہے، ہر اردگرد کی چیز کو اپنے سے ہٹا دیتا ہے وہ تجلیات جو سلبیہ تھی انکے اوپر بالکل وہی اثرات نظر آتے تھے۔

اسلئے ہمارے مشائخ بھی جب کبھی کسی کو تعویذ لکھ کر دیتے ہیں اول تو دیتے ہی نہیں اور اگر دیتے تو اس وقت اپنے لطیفہ خفی کی توجہ کے ساتھ دیتے ہیں پھر اللہ رب العزت اس تعویذ کے اندر ایک تاثیر رکھ دیتے ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر ایک تاثیر تھی بیماریوں کو ختم کرنے کی، اس لطیفہ سے اللہ تعالیٰ بڑی بڑی بیماریوں کو ختم فرما دیتے ہیں کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ایک کاغذ ہی دے دیں مگر اپنے لطیفہ خفی کی توجہ اس پر ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ اس کاغذ کے پرچے سے بھی بندے کو شفا عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ

اور لطیفہ اخفی کا تعلق سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے چنانچہ اللہ رب العزت کی جو شان جامع تھی یعنی ان تمام کا جو مجموعہ تھا اس کو شان جامع کہتے ہیں اس کی براہ راست تجلی نبی ﷺ کے لطیفہ اخفی کے اوپر پڑی۔

اب مختلف انبیاء کو مختلف لطائف کے ساتھ مناسبت ہے تو ہمارے بزرگوں نے اسکو سمجھانے کے لئے یوں کہہ دیا کہ ہر لطیفہ کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کے زیر قدم ہے یہ لفظ استعمال کر لیا چونکہ فیض جو اس لطیفہ سے اس نبی علیہ السلام کے واسطے سے ملنا ہے

لہذا لطیفہ قلب آدم علیہ السلام کے زیر قدم،

لطیفہ روح ابراھم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے زیر قدم،

لطیفہ سر موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم

لطیفہ خفی عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم

اور لطیفہ اخفی سیدنا رسول اللہ ﷺ کے زیر قدم،

اب چونکہ سالک کو وہ فیض مل رہا ہے تو فیض جس جگہ سے ملتا ہے وہ اس کا منبع ہوتا ہے، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک چشمہ ہے اس میں سے پانی نکل رہا ہے اور کوئی بندہ پی رہا ہے تو جس کو پیتے ہیں اس چیز کو مشروب کہتے ہیں اور جہاں سے پیتے ہیں اس کو مشرب کہتے ہیں لہذا اب لطیفہ قلب اگر کسی کا نمایاں ہوگا تو کہیں گے کہ یہ ''آدمی المشرب'' ہے آدم علیہ السلام کے ساتھ مناسبت ہے، اور اگر لطیفہ روح اس کا زیادہ نمایاں ہے تو ابراھیمی المشرب ہو گیا، لطیفہ سر اگر نمایاں ہے تو موسوی المشرب ہو گیا، لطیفہ خفی اگر نمایاں ہے تو عیسوی المشرب ہو گیا اور اگر لطیفہ اخفی نمایاں ہے تو محمدی المشرب ہو گیا تو یہ مشرب کا لفظ لا کر انہوں نے ذرا بات کو مختصر کر دیا۔

انسانوں کی مناسبتیں

اب اگلی بات سمجھیں دنیا کا ہر انسان ان پانچ میں سے کسی نہ کسی ایک لطیفہ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اپنی طبیعت کے اعتبار سے، پوری دنیا کو آپ پانچ گروپ میں تقسیم کر سکتے ہیں یا اس کی طبیعت کو آدم علیہ السلام کے ساتھ مناسبت ہو گی یا ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ، یا موسیٰ علیہ السلام، یا عیسیٰ علیہ السلام یا نبی علیہ السلام کے ساتھ، تو جس کا جو لطیفہ زیادہ نمایاں ہو اور جن کی زندگی کے ساتھ اس کی زندگی کو زیادہ مشابہت ہو تو اس بندے کو کہتے ہیں کہ یہ اس مشرب کا بندہ ہے چنانچہ آدمی المشرب ہے ابراھیمی المشرب ہے موسوی المشرب ہے عیسوی المشرب ہے محمدی المشرب ہے۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں کتابوں میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے

فرمایا کہ یہ موسوی المشرب ہے، مناسبت ان سے زیادہ تھی اور آپ دیکھیں کہ حضرت عمرؓ اقامت دین کے بارے میں کتنے سخت تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی اقامت دین کے بارے میں کیسے سخت تھے، اللہ رب العزت نے ان کے اندر بہت ساری مناسبت رکھی تھیں اور بہت ساری مناسبتیں نکالی اور سوچی جا سکتی ہیں، تاہم اب پانچ مشرب ہو گئے اور دنیا کے سارے سالکین پانچ گروپوں کے اندر تقسیم ہو گئے، ہر سالک کے اوپر اپنا رنگ ہوتا ہے تو جس نبی کے زیر قدم جو لطیفہ ہے اسی نبی کا رنگ اس کی طبیعت کے اوپر غالب ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کے مشرب کی پہچان

اسلئے بعض بزرگ جاننا چاہتے تھے کہ ہمارا کونسا لطیفہ نمایاں ہے، ہمارا مشرب کونسا ہے، چنانچہ ایک شیخ تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کو بھیجا کہ جاؤ اور فلاں بزرگ کے پاس تھوڑی دیر رہ کر آؤ مگر ان کے بھیجنے میں نیت یہ تھی کہ وہ بزرگ ذرا بتائیں کہ میرا مشرب کونسا ہے، تو یہ مرید وہاں گیا اور ان کے پاس رہا تو انہوں نے استقبال کرتے ہوئے یوں کہا کہ سناؤ تمہارے یہودی کا کیا حال ہے، تو اس مرید کو بڑا غصہ آیا کہ میرے شیخ کے بارے میں، میرے پیر صاحب کے بارے میں یہ کیسے کہتے ہیں کہ تمہارے یہودی کا کیا حال ہے، خیر اندر اندر پیچ و تاب کھاتے رہے مگر چپ رہے، اب جب واپس آیا تو گم سم، شیخ نے پوچھا کہ بتاؤ کیا کہا؟ جواب ہی کچھ نہیں دیتے، جب ذرا ان کو کھولا تو کہنے لگا کہ انہوں نے تو ایسی بات کی کہ مجھے آگ لگی ہوئی ہے مجھے بس آپ کا ڈر تھا ورنہ میں کچھ کر آتا، انہوں نے کہا تم بتاؤ کہ انہوں نے کیا کہا؟ جواب دیا کہ انہوں نے کہا کہ تمہارے یہودی کا کیا حال ہے؟ اسکو سن کر وہ شیخ وجد میں آ گئے کہ الحمد للہ اللہ نے مجھے موسوی المشرب بنایا ہے یہودی کا لفظ انہوں نے اشارۃ اور کنایۃ استعمال فرمایا تھا، بتا تو نہیں سکتے تھے۔

ایک ابدال کی ملاقات

حضرت سید زوار حسینؒ کی ایک ابدال سے ملاقات ہوئی فرماتے تھے کہ بڑے عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ بڑے عرصے کے بعد ملے ہیں کہنے لگے کہ ہم ''اب، دال'' ہو گئے کہنے لگے کہ وہ یہ کہہ کر چلا گیا پھر بڑی دیر کے بعد مجھے سمجھ آئی کہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ہم اب ''ابدال'' ہو گئے لیکن بات ایسی کر گئے کہ عام آدمی اس کو نہ سمجھے اب ہم دال ہو گئے یوں بات کر گئے۔

شیخ کی فراست اور انداز تربیت

جیسے ہر بندے کا اپنا ایک رنگ ہے اب شیخ کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ سالک کہاں چل رہا ہے اور اسکو جانا کہاں ہے تو پیر کوئی عالم الغیب نہیں ہوتے لیکن ان کو ایک فراست حاصل ہوتی ہے وہ اپنی فراست سے سالک کو آتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ کس مشرب کا بندہ ہے، تو پھر اس بندے کو وہ اسی علامات کے اوپر لے کر چلتے ہیں کہ اس کو آگے چلنے دو اور کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ہوتے ہیں ابراھیمی المشرب اور کیفیات بتا رہے ہوتے ہیں آدمی المشرب ہونے کی، تو شیخ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ سالک ''کیا یقین کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے'' اسلئے ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اگر مرید ہوتا ہے چار سو بیس تو شیخ ہوتا ہے آٹھ سو چالیس، اس کو پہلے ہی پتہ ہوتا ہے کہ یہ سالک کس نسبت اور کس رنگ کا بندہ ہے اور اسکے احوال نے کس رخ کو جانا ہے، ان پر یہ بات کھلی ہوتی ہے اسلئے وہ اس کو لے کر چل رہے ہوتے ہیں اور اس کی باتوں کو سن کر فلٹر کر رہے ہوتے ہیں مگر پردہ بھی رکھ رہے ہوتے ہیں ساتھ ساتھ سمجھا بھی رہے ہوتے ہیں یہ اللہ والے بہت پردے رکھتے ہیں،

مرشد عالمؒ اور ان کا مشرب

ہمارے حضرت مرشد عالمؒ خود فرماتے تھے کہ میں اپنی طبیعت کے حساب سے موسوی المشرب تھا لہذا ہم نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور ان کی زندگی میں بہت مشابہت تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں دیکھیں تو آپ کو سفر ہی سفر نظر آئے گا اور ہمارے حضرت بھی پیدا ہوئے پلے بڑھے کھرڈی میں اور آ کر زندگی گذاری چکوال میں، پھر ہمارے حضرتؒ کو کلام الٰہی سے بہت محبت تھی انتہائی درجہ کی محبت تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی کے ساتھ خصوصیت حاصل تھی، ہمارے حضرتؒ عام گفتگو کرتے ہوئے اتنی آیتیں پڑھتے تھے کہ ہم نے ایک دفعہ اندازہ لگایا کہ شاید پورے دن کی آیتوں کو اکٹھا کریں تو دو پارے قرآن کی تلاوت ہی ہو جاتی تھی، جو بات کرتے تھے قرآن کی آیت کے حوالہ سے کرتے تھے اور کہتے بھی تھے کہ جیسے تمہارے سامنے ٹی وی کی اسکرین آتی ہے میرے سامنے قرآن اسکرین پر لکھا ہوا آتا ہے، بلکہ ایک مرتبہ علماء کی مجلس تھی اسلام آباد میں حضرت فرمانے لگے میں کوئی ترجمہ نہیں کروں گا حضرت بیٹھے پھر ایک آیت پڑھی پھر دوسری پڑھی پھر تیسری پڑھی پورا بیان ہی قرآن کی آیتوں میں کر دیا تمہارے سامنے مجھے ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، سمجھتے جاؤ بس آیتیں پڑھتے گئے اسلئے عرب علماء بھی اگر ان کا بیان سن لیتے تھے تو حیران ہو جاتے تھے کہ واقعی اس بندے کو قرآن میں کتنی مہارت ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت خوبصورت تھے ان کی خوبصورتی تو بچپن ہی سے ایسی تھی کہ فرعون کی بیوی دیکھتے ہی کہتی ہے کہ ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ﴾ قتل نہیں کرنا ﴿عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ ہوم سیکریٹری نے کہہ دیا کہ قتل نہیں کر سکتے اور فرعون صاحب جو ہزاروں بچوں کو قتل کروا چکے تھے کیا کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے نہیں قتل کرواتے اب عورتوں کا یہ گلہ کہ مرد ہماری نہیں مانتے، تو یہ، اتنے بڑے بڑے فرعون تمہاری مانتے رہے، تو یہ بیکار کا گلہ ہے، تو اللہ رب العزت نے اتنا جمال عطا کیا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر ایسا نور تھا تو ہمارے حضرت مرشد عالمؒ کے

چہرے پر بھی اتنی خوبصورتی تھی کہ دیکھتے دیکھتے آنکھ نہ بھرتی تھی ، [يَزِيدُكَ وَجْهُهُ حُسْناً اِذَامَازِدْتَهُ نَظَراً] اے محبوب جیسے میں آپ پر نظر دوڑاتا ہوں میری ہر نظر میں آپ کا حسن پہلے سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، ہمارے حضرت کا یہی حال تھا بالکل چہرہ دیکھتے ہی بندے کو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ کوئی باخدا بندہ ہے، کوئی شیخ ہے اللہ نے ایسا حسن و جمال دیا تھا اونچا قد تھا اور ہم لوگ ان کے سامنے چلتے ہوئے چوزے نظر آتے تھے، اگر کبھی ہمارے کندھے پر ہاتھ رکھ لیتے تو ہم بوجھل ہو جاتے تھے، اتنی طاقت اللہ نے دی تھی، یعنی میں تو دیکھتے ہی رہتا تھا کہ یا اللہ بالکل صحیح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مکے سے بندے کو یقیناً مار دیا ہوگا، جب ہمارے حضرت کو اللہ نے ایسی قوت عطا فرمائی تھی، خیر تو حضرتؒ کو اللہ رب العزت نے حسن و جمال بھی دیا قرآن مجید کے ساتھ مناسبت بھی دی اور یہ کہ حضرت نے عصا کو اپنا جزو بدن بنالیا تھا ہر وقت عصا انکے ہاتھ میں ہوتا تھا یہ بھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت تھی ﴿وَمَاتِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾ تو انکی زندگی کو اگر دیکھیں تو ماشاء اللہ کامل مناسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی پھر ایک اور چیز یہ کہ طبیعت میں جوش تھا حضرت کبھی اللہ رب العزت کے بارے میں اگر بات کرتے تھے چہرے پر جوش آجاتا تھا ہم حیران ہوتے تھے، تو ہمارے حضرت خود فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی طبیعت کے اعتبار سے موسوی المشرب تھا لیکن امام العلماء والصلحاء حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ وہ محمدی المشرب تھے ''محمدی المشرب'' کی علامات سو فیصد ان میں تھیں، ہمارے حضرت کو اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ محبت تھی، یہ محبت ایسی تھی کہ ان کو یوں سمجھ لیں کہ اپنے شیخ کے ساتھ نسبت اتحادی حاصل ہوگئی تھی تو حضرت فرماتے تھے کہ شیخ کی بنا پر اللہ رب العزت نے میرے اوپر محمدی المشرب کی نسبت کو غالب فرمادیا، چنانچہ طبعاً موسوی المشرب تھے لیکن شیخ کی توجہات کی برکت سے محمدی المشرب بن گئے ہمارے حضرت مرج البحرین

تھے، جلال بھی تھا، جمال بھی تھا، جلال اتنا تھا کہ ہم جیسے کانپ رہے ہوتے تھے اور جمال اتنا تھا کہ ہر بندہ ان سے محبت کرتا تھا، یہاں علماء نے لکھا ہے کہ عام طور پر بندے کا مشرب وہی رہتا ہے جو فطرتاً اللہ نے بنادیا لیکن اگر شیخ کامل ہو اور اسکو شیخ کے ساتھ اتنی مناسبت ہو محبت ہو تو شیخ کا جو مشرب ہے اونچے مقام کا اس کو بھی اللہ ملادیتے ہیں ﴿وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ان کو آخرت میں بھی ملائیں گے روحانی طور پر بھی ملادیتے ہیں اونچا بڑھا دیتے ہیں اسی لئے اب اگر کسی کو اللہ رب العزت کامل شیخ دیں جیسے ہمارے حضرت تھے تو پھر اس کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی زندگی میں فائدہ اٹھائے اسلئے ہم حضرت کی زندگی میں وقت کو گنا کرتے تھے کہ پتہ نہیں کہ کب تک ہم ہیں یا کب تک یہ نعمت ہمارے پاس موجود ہے ایسے ایک ایک دن کو قیمتی سمجھتے تھے، اسلئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ رب العزت ہمیں فائدہ پانے کی توفیق عطا فرمائیں، اب یہ نہیں ہے کہ آپ میں سے ہر بندہ ڈھونڈنے لگ جائے فلاں کیا ہے فلاں کیا ہے یہ بات بہت ہی آگے کی ہوگی، ابھی اسباق لطائف کے پورے نہیں ہوئے تو کسی پر کیا کھلے گا کہ کون کیا ہے یہ تو شیخ پر اللہ تعالیٰ کھولتے ہیں کہ کس بندے کی کیا کیفیات ہوتی ہیں تاہم آج آپ کو مشرب کا بھی پتہ چل گیا اور زیر قدم کا بھی پتہ چل گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ اللہ رب العزت نے پھولوں کا ایک گلدستہ بنایا ہے ہر پھول کا الگ الگ رنگ ہے اسی طرح یہ سالکین گلدستہ کی طرح ہیں کوئی کسی مشرب کا کوئی کسی مشرب کا سب اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائیں اور اس کو قال کے بجائے حال کے طور پر حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں دیکھئے ایک بندہ سنتا رہے بادشاہ بادشاہ ، تو اس سے بن تو نہیں جائے گا، بننا تو ایک الگ چیز ہے تو ایسے ہی ہے کہ ہم سنتے رہیں بادشاہ بادشاہ تو بن تو نہیں جائیں گے، اس لئے آپ یہ بات ذہن میں

ضرور رکھنا کہ تصوف کوئی کلام نہیں کہ قول کے ذریعہ سے سمجھ سکیں یہ قال نہیں یہ حال ہے، یہ ذکر کے ذریعہ سے ہوگا اب آپ بتائیں کہ ذکر کرنا کتنا ضروری ہے اور جب ہم پوچھتے ہیں کہ کتنا ذکر کیا تو پانچ منٹ کا مراقبہ، تین منٹ کا مراقبہ ، پانچ منٹ اور تین منٹ کے مراقبوں سے یہ تجلیات کے فیض اور یہ مشرب اور یہ ساری چیزیں اس کو حاصل نہیں ہوسکتیں، تو اسلئے برکت کے لئے بیعت ہونا اتنا فائدہ نہیں دیتا، محنت کرنی چاہئے آگے بڑھنا چاہئے جو کمالات ہمارے بزرگوں نے بتائے ہیں کہ یہ حاصل ہوسکتے ہیں ان کو حاصل کرنے کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت نقشبندؒ بخاری کا قول

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بیٹے خواجہ معصومؒ نے اپنے مکتوبات معصومیہ میں لکھا ہے کہ حضرت نقشبند بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اللہ رب العزت سے ایسی نسبت مانگی ہے کہ اس راستے پر چلنے والا یقیناً موصل ہوتا ہے اور ایک جگہ وہ فرماتے ہیں کہ اس راستے پر سالک کی سستی کے سوا اور کوئی دوسری چیز رکاوٹ ہو ہی نہیں سکتی۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جب ہم امریکہ میں سفر کرتے تھے تو نیویارک سے واشنگ ٹن جاتے تھے یا واشنگ ٹن سے نیویارک آتے تھے تو موٹروے پر ہم چل رہے ہوتے تھے تو چلتے چلتے ایک جگہ ٹال بنا ہوتا تھا اور کہتے تھے کہ ٹرن پائک شروع ہوگئی ہے تو ہم نے پوچھا کہ یہ ٹرن پائک کیا ہے؟ کہتے تھے کہ یہ انٹری پوئنٹ ہے اور درمیان میں کوئی ایکزٹ نہیں ایک اور جگہ ٹال ہوگا وہ اسکا ایکزٹ پائنٹ ہوگا درمیان میں چونکہ کوئی نکل ہی نہیں سکتا اسکو ٹرن پائک کہتے ہیں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا جو سلسلہ ہے اس کو اللہ رب العزت نے ٹرن پائک بنا دیا ہے اب وہی بندہ آخر تک نہیں پہنچ سکتا جو اپنی گاڑی کو روک کر کھڑا ہو جائے جو چلتا رہے گا تیز یا آہستہ تو وہ جلد یا دیر سے اپنی منزل پر ضرور پہنچے گا تو اس

راستے میں رکاوٹ سالک کی اپنی سستی ہے، گناہوں کا ارتکاب ہے اگر انسان تقوی کی زندگی گذارے اور ہمت کرتا رہے اسکو کوئی چیز منزل پر پہنچنے سے روک نہیں سکتی

ہمارے بزرگوں نے اللہ سے وہ نسبت مانگی ہے جو یقیناً وصل عطا کر دیتی ہے تو اللہ رب العزت کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے اسلئے ہمت سے کام لیں مراقبہ زیادہ کریں مراقبہ کی بہت کمی ہے اس لئے اثرات مرتب نہیں ہوتے ، مراقبہ تو اتنا کریں کہ [حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجۡنُوۡنٌ] وہ جو فرمایا ہے کہ ذکر کرو اور ذکر کو آپ مراقبہ سمجھ لیں تو ترجمہ کیا بنے گا کہ اتنا مراقبہ کرو اتنا مراقبہ کرو کہ لوگ تمہیں پاگل ہی کہنے لگیں ، ویسے مجنو سے پوچھو لیلی کو کتنا یاد کرتے ہو اور وہ کہے کہ دو منٹ یاد کرتا ہوں، تین منٹ یاد کرتا ہوں چوبیس گھنٹوں میں پانچ منٹ یاد کرتا ہوں تو سننے والا بھی کہے گا کہ یہ کیسا مجنو ہے؟ ہم بھی اللہ تعالی کے ایسے ہی مجنو ہیں کہ دن میں پانچ منٹ تین منٹ مراقبہ کرتے ہیں، شیخ پوچھے کتنا مراقبہ کرتے ہو تو جواب یہ ہونا چاہئے کہ حضرت مراقبہ کے سوا اور کام ہی کیا ہے، ہر وقت جتنا کر سکتے ہیں کریں، اللہ رب العزت ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين

﴿وَفِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلاَ تُبۡصِرُوۡن﴾

حقیقت توجہ

ازافادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

1

فہرست عناوین

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

اقتبـــــاس

ہمارے حضرت خواجہ سعید احمد قریشیؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ توجہ دیتے تھے اور بسا اوقات پورے کے پورے شہر والوں پر توجہ ڈالتے تھے اور پھر فرمایا بھی کرتے تھے کہ شہر میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کے قلوب سے وہ نور اور توجہ ٹکرا کر واپس آتی ہے

اور میں کشفاً آواز سنتا ہوں کہ ہمارے لئے اس دل میں کوئی جگہ نہیں ہے

فرماتے تھے میں اس توجہ سے یہ آواز سنتا تھا تو یہ توجہ ایک عجیب چیز ہے

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد!

اعوذباللّٰہِ من الشیطان الرجیم ☆ بسم اللّٰہِ الرحمن الرحیم

﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّم

انسان گوشت پوست کا بنا ہوا ہے دھڑکنے والا دل رکھتا ہے، یہ متأثر کرتا بھی ہے اور متأثر ہوتا بھی ہے، متأثر کرتا ہے اپنے اچھے اخلاق سے، عقلمندی سے، علم سے، ایثار قربانی سے، تواضع سے جو بھی اخلاق حمیدہ اس کے اندر ہوں تو دوسرے لوگ اس سے متأثر ہوتے ہیں، اپنے کلام سے متأثر کرتا ہے اور دوسرا بندہ متأثر ہوتا بھی ہے، اگر اسکے اندر قوت ارادی زیادہ آجائے تو اس کی متأثر کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے، جس بندے میں بھی قوت ارادی بہت ہوگی تو وہ دوسرے کو متأثر کرے گا حتیٰ کہ فاسق وفاجر ہے بے عمل ہے، اس کا بھی اثر ہو جاتا ہے شریعت کی نظر میں اسکو کہتے ہیں نظر کا لگ جانا، حدیث پاک میں آتا ہے [اَلْعَیْنُ حَقٌّ] کہ نظر کا لگ جانا حق ہے، نظر کیوں لگتی ہے؟ عداوت کی وجہ سے یا محبت کی وجہ سے، چھوٹے بچے کو نظر بھر کر پیار سے دیکھ لیا تو بچے کو نظر لگ گئی اور ہم نے تو دیکھا کہ کئی دفعہ بچے کو ماں ہی کی نظر لگ جاتی ہے، کیوں کہ وہ جو پیار سے بار بار اس کو دیکھتی ہے، اور اگر دل میں کسی کے بارے میں عداوت، حسد، کینہ ہو اسکی بھی نظر لگ جاتی ہے

چنانچہ نبی ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ کو نظر لگی اور نبی ﷺ نے اتارنے کا طریقہ بتایا، تو ہم شریعت کے اندر نظر کو مانتے ہیں تو اب سوچنے کی بات ہے کہ جس نظر کے اندر عداوت ہے دشمنی ہے حسد ہے کینہ ہے بغض ہے اگر یہ نظر دوسرے بندے پر اثر دکھا سکتی ہے تو جس نظر کے اندر شفقت ہو رحمت ہو محبت ہو اخلاص ہو، تو یہ نظر دوسرے پر اثر کیوں نہیں دکھا سکتی۔

توجہ کیا ہوتی ہے

اکثر سالکین پوچھتے ہیں کہ یہ توجہ کیا ہوتی ہے؟ تو اچھی نظر کے لگ جانے کو توجہ کہتے ہیں اب بری نظر سے تو کوئی غیر مقلد بھی انکار نہیں کرسکتا حدیث پاک میں ہے تو بری نظر سے تو آپ بھی انکار نہیں کرسکتے لہذا اچھی نظر کا ہم اقرار کرتے ہیں، یہ جو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر بندے کے دل پر اثر ہوتا ہے یہ اصل میں ان کی توجہ ہوتی ہے، ان کی نظر لگ جاتی ہے، برے کی نظر لگی تو بندے پر برے اثرات ہو گئے اور اچھوں کی اچھی نظر لگی تو بندے پر اچھے اثرات ہو گئے، پھر اس کو توبہ کرنے کا دل چاہتا ہے نیکی کرنے کا دل چاہتا ہے اللہ کا بننے کو دل چاہتا ہے سارے گناہ چھوڑنے کو دل چاہتا ہے، لہذا اس کے اثرات ہوتے ہیں اس کو توجہ کہتے ہیں، اگر جانوروں کے پاس رہنے سے ان کے اثرات بندے پر ہو سکتے ہیں تو کیا اللہ والوں کے پاس رہنے سے ان کے اثرات نہیں ہو سکتے، اثرات ہوتے ہیں، کسی نیک بندے کی وجہ سے اثرات پڑنے کو توجہ کہتے ہیں اور یہ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے۔

نبی ﷺ کے اندر توجہ نقطہء کمال پر تھی ایک نظر پڑتی تھی دھو کر رکھ دیتے تھے

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ھادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

مردہ آتے تھے، مسیحا بن کر واپس لوٹتے تھے اور کس کو توجہ کہتے ہیں؟ اسی کو تو توجہ

کہتے ہیں نبی ﷺ کی ایک صحبت دل کی کایا پلٹ کر رکھ دیتی تھی، یہ توجہ ہوتی ہے۔

نبی کی توجہ نوجوان پر

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک نوجوان نے نبی ﷺ کی خدمت عرض کی کہ اللہ کے نبی! مجھے زنا کی اجازت دیجئے نبی ﷺ نے پہلے اس کو سمجھایا کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی تیری والدہ سے یہ کام کرے؟ اس نے کہا نہیں، تیری بہن سے؟ کہا نہیں، تیری بیٹی سے؟ نہیں، تو فرمایا کہ تو جس سے بھی زنا کرے گا وہ کسی کی ماں، کسی کی بہن، کسی کی بیٹی، کسی کی بیوی ہوگی تو دوسرے لوگ بھی پسند نہیں کرتے، اب بات نبی ﷺ نے سمجھا دی تھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھ کر کہا [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ] اے اللہ اسکو معاف کر دے نبی ﷺ نے دعا کے چند لفظ کہے وہ صحابی کہتے ہیں کہ میرے دل سے زنا کا جذبہ اس طرح ختم ہوا کہ اس سے زیادہ بڑا گناہ میری نظر میں کوئی نہیں تھا، یہ سینہ پر ہاتھ رکھنا کیا تھا؟ وقت کے نبی نے بے مقصد ہاتھ تو نہیں رکھا تھا تو نبی کا ہاتھ جو سینہ پر پڑا وہ کس لئے؟ یہ توجہ تھی ایک لمحہ پہلے تو وہ بندہ اجازت مانگ رہا ہے اتنا نشہ چھایا ہوا ہے، کوئی چھوٹی بات ہے؟ وہ نبی ﷺ کی عظمت کو جانتا تھا، اس کو پتہ تھا کہ زنا حرام ہے ایک بندہ حرام کے بارے میں آکر سوال پوچھ رہا ہے، کیا اسکو پتہ نہیں تھا کہ مجھے ڈانٹ پڑے گی؟ سب پتہ تھا مگر اس وقت طبیعت میں ایک جوش تھا لیکن چونکہ کھرے لوگ تھے آکر سیدھی بات کر دی کہ اے اللہ کے نبی! زنا کی اجازت دید یجئے اور پھر کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے یہ الفاظ کہے تو زنا سے زیادہ میری نظر میں ناپسندیدہ کوئی اور چیز نہ تھی، یہ صفائی کیسے ہوئی؟ توجہ سے ہوئی سیدھی بات ہے اب اندھے ہیں جو کہیں کہ توجہ کہاں ہے؟ یہ توجہ ہی کا کمال ہے محبوب ﷺ نے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعا دی یہ سینہ پر ہاتھ رکھنا کیا ہے؟

فرشتہ کی توجہ کا اثر

اچھا نبی ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں اقرأ، آپ فرماتے ہیں ﴿ما انا بقارئ﴾ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، نبی ﷺ فرماتے ہیں [فَاَخَذَنِیْ وَ غَطَّنِیْ] انہوں نے مجھے پکڑا اور خوب دبایا اتنا دبایا کہ [حَتّٰی بَلَغَ مِنِّیْ الْجُهْدُ] مجھے تنگی ہونے لگ گئی جبرائیل علیہ السلام نے یہ کام کیوں کیا؟ اور جب سینہ سے لگا کر چھوڑا تو آپ نے پڑھنا شروع کر دیا ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ ابھی تو فرما رہے تھے ﴿مَا اَنَا بِقَارِئٍ﴾ صرف ایک عمل دبانے والا درمیان میں ہوا ہے جس کے بعد آپ نے پڑھنا شروع کر دیا تو کس چیز نے پڑھا دیا؟ وہ کیا عمل تھا؟ وہ توجہ تھی اس کو توجہ کہتے ہیں، مشائخ بھی اسی طرح کرتے ہیں کئی دفعہ سینے سے لگا کر توجہ دیدیتے ہیں دوسرے بندے کی زندگی بدل جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ توجہ کیا ہوتی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے جو سینے سے لگایا تو اللہ کا بنایا ہوا ایک نظام منتقل ہوا وہ علم و فیض سینہ میں منتقل ہوا، سینہ کھل گیا پڑھنا شروع فرما دیا تو اسکو توجہ کہتے ہیں۔

اچھا جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں نبی ﷺ سے سوال پوچھنے کے لئے، اب ادب کا تقاضہ تو یہی ہے کہ استاذ کی جگہ سے شاگرد تھوڑے فاصلہ پر بیٹھے، جبرئیل کس طرح بیٹھتے ہیں؟ [فَاَسْنَدَ رُکْبَتَیْهِ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ] نبی ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر کیا وجہ ہے؟ کبھی کوئی شاگرد ایسا بیٹھا ہے؟ وہ جو خدائی شاگرد بھیجا گیا تھا وہ آکر ایسے بیٹھا یہ جسم کے اتصال کو فیض کے منتقل ہونے میں دخل ہے، تو ہمارے بزرگ سینہ پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کہہ دیں تو ان کو بات سمجھ میں نہیں آتی، کہتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے آگیا، نبی ﷺ سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا دیں وہ سمجھ میں آتا ہے، کیا یہ وہی عمل نہیں ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر اللہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالی سینہ کی گرہ کھول دیتے ہیں، تو یہ توجہ سمجھ میں آنے والی چیز ہے، یہ اصل میں

صاحب توجہ کی قوۃ ارادی ہوتی ہے، جب اس قوت ارادی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دل میں دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اسکو دھو دے تو پھر اللہ تعالی اس کو دھو دیتے ہیں، کوئی نہ سمجھ میں آنے والی بات ہی نہیں ہے، ہمارے بزرگوں نے بھی یہ توجہات دی ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ کا واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ شیخ البخاری جن کی علمیت کو غیر مقلد بھی مانتے ہیں انہوں نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ آریہ سماج کی جب تحریک چلی تھی، تو ہندوؤں نے مسلمانوں کے گاؤں میں جا کر ان کو دھوکہ سے ہندو کرنا شروع کر دیا تھا، مرتد بنانا شروع کر دیا تھا، علماء دیوبند کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ اس فتنہ کو دفع کرنا تو ضروری ہے، تو انہوں نے اس تحریک کے بانی کو پیغام بھجوایا کہ تم ہمارے ساتھ مناظرہ کرلو، علمی مباحثہ کرلو عوام کے ساتھ الجھنے کی کیا ضرورت ہے؟ طے ہوگیا، چنانچہ مناظرے کے دن مسلمان بھی آئے اور ہندو بھی آئے ہندوؤں نے مناظرہ میں ایک شرط رکھی تھی کہ مناظرے میں کہ ہمارے مہمان خصوصی آگے بیٹھے گے پھر مسلمان بیٹھیں گے تو مسلمانوں نے مان لیا تھا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے، اب جب مسلمان مناظر کھڑے ہوئے تو وہ بات تو کر رہے تھے لیکن بے ربط سی باتیں تھی جیسے کوئی متردد بندہ ہوتا ہے بے ربط باتیں کرتا ہے ادھر کی کردی ادھر کی کردی کوئی آپس میں جوڑ نظر نہیں آتا تھا حالانکہ وہ مانے ہوئے عالم تھے، ان کے اندر بہت زبردست قوت استدلال تھا وہ بات کرتے تھے تو دوسرے کا دل موہ لیتے تھے اور وہاں ایسے ہوگئے جیسے کوئی گھبرایا ہوا ہوتا ہے، تو ہندوؤں کی ہمتیں بڑھنے لگیں اور مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگے اس وقت ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا تو اس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ بھاگا اور بھاگ کر اسٹیج کے پیچھے گیا وہاں حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوریؒ

تشریف فرما تھے کیوں کہ مناظرے میں ایک بڑا کام ہوتا ہے کتاب میں سے
حوالے نکال کر دینا اور یہ ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی یہ کام وہی کر سکتا ہے
جس نے کتابوں میں زندگی گذاری ہو تو حضرت نے یہ کام اپنے ذمہ لیا تھا چنانچہ
کتابوں کا بھی انبار لگا ہوا تھا اور حضرت وہاں تھے اگر کوئی حوالہ دکھانا پڑے تو اسی
وقت کتاب دکھائی جا سکے، اب وہ آدمی آیا اور اس نے کہا کہ حضرت وہاں تو ماجرا
ہی کچھ اور ہے، پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہا کہ حضرت ہندو غالب آ رہے ہیں اور مسلمان
بندے سے تو بات ہی نہیں ہو رہی، ان کی تو زبان ہی نہیں چل رہی، وہ تو ایسے
اٹک رہے ہیں جیسے زبان میں گرہ لگی ہو، حضرت نے سنا تو حیران ہوئے اور وہیں
بیٹھے بیٹھے متوجہ ہوئے مراقبہ کیا اور مراقبہ میں اللہ کے حضور دعا مانگی کہ اے اللہ!
حقیقت حال کو کھول دے تو ان کو محسوس ہوا کہ وہ جو ہندو تھے انہوں نے پہلی لائن
میں اپنے سادھوؤں کو بٹھایا ہوا تھا ان میں سے ایک سادھو تھا لمبے بال والا، اور وہ
مسلمان مناظر کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا وہ اپنی قوت ارادی کو گویا اس مسلمان
مناظر کے دل پر صرف کر رہا تھا، جس کی وجہ سے مسلمان مناظر گھبرایا گھبرایا محسوس
ہوتا تھا، حضرت نے جب یہ دیکھا تو حضرت نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس ہندو کے
قلب کے اوپر توجہ ڈالی جب اسکے قلب پر توجہ گئی تو اسکو یوں محسوس ہوا جیسے کہ
آگ لگ گئی اور وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اس کے جانے کی دیر تھی مسلمان مناظر
نے بولنا شروع کیا اللہ نے تھوڑی دیر میں مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی یہ واقعہ شیخ
الحدیثؒ لکھتے ہیں اتنی بڑی علمی شخصیت کا ایک واقعہ کو نقل کرنا یہ چھوٹی بات نہیں
ہے کہ، یہ کیا چیز تھی؟ یہ توجہ تھی۔

خواجہ عبد الماک کا واقعہ

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ عبد المالک چوک قریشی
والے ہمیں ان کی صحبت میں کئی مرتبہ بیٹھنے کا موقعہ بھی ملا وہ حضرت کے خلفاء میں سے

تھے اپنا واقعہ سنانے لگے کہنے لگے کہ میں ایک مرتبہ کراچی سے سکھر جانا تھا دوست
کے گھر ملنے کے لئے تو کراچی کے اسٹیشن پر میں بیٹھا ہوا تھا اور میں سوچ رہا تھا
کہ اللہ کرے کوئی مجھے کامل مل جائے مجھے کچھ فیض حاصل کرنے کا موقع مل
جائے ،اور سبق میرا تھا تہلیل کا تو میں بیٹھا ہوا لاالہ الااللہ، لاالہ الااللہ، کر رہا تھا
کہنے لگے کہ اچانک میں نے دیکھا ایک بندہ داڑھی بھی تھی ٹوپی بھی تھی لمبا کرتہ
بھی تھا وہ آیا اور وہ ایک جگہ بیٹھ کر بالکل یوں جیسے مراقبہ کر رہا ہو بیٹھ گیا کہنے لگے
میں نے اس کو دور سے دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ کر تو مراقبہ رہا ہے ،لگتا ہے کوئی
بھلا آدمی ہے کوئی سالک ہے کیا پتہ شیخ ہے کہنے لگے میں آیا اور میں نے کہا کہ
چلو خاموشی سے ان کے مراقبہ میں شریک ہو جاتا ہوں تو میں آ کر ان کے سامنے
بیٹھا اور جیسے ہی اپنے سبق کی طرف متوجہ ہوا تو اس بندے کو تو جیسے کوئی کرنٹ سی
لگی ہو وہ اٹھا اور وہاں سے چلا جب میں نے آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ چلا گیا میں
نے کہا یار میری قسمت میں فیض لینا ہی نہیں خیر تھوڑی دیر کے بعد میں ادھر ادھر
ہوا تو میں نے دیکھا ایک دوسرے پلیٹ فارم پر وہ اسی طرح بیٹھا ہوا تھا مراقبہ
کر رہا تھا کہنے لگے پھر آہستہ دبے پاؤں گیا اور جا کر قریب بیٹھ گیا جیسے میں بیٹھا
میں نے دیکھا کہ وہ پھر وہاں سے اٹھ کر بھاگ گیا اب تو وہ چلا ہی گیا، میں اپنے
آپ کو کوستا رہا کہ تیرے گناہ اتنے زیادہ کہ فیض کہاں سے ملے اچھے لوگ تیرا
پاس بیٹھنا ہی پسند نہیں کرتے ، کہنے لگے خیر گاڑی آئی میں چلا گیا اپنے دوست
کے گھر پہنچا بات چیت ہوئی میں نے اسے بتایا کہ میں نے آج ایک اچھے بندے
کو دیکھا تھا اور چاہتا تھا کہ میں فیض لوں اور بس میری قسمت میں ہی نہیں تھا، اس
نے پوچھا وہ کیسا تھا میں نے کہا ایسی داڑھی ایسا قد ایسے نقش نین ،تو وہ چپ
ہو گئے کہا اچھا ٹھیک ہے ، فجر کی نماز پڑھ کر مجھے کہنے لگا آؤ تمہیں ایک بندہ
دکھاتے ہیں، میں نے کہا ٹھیک ہے وہ مجھے لے کر ایک دروازے پر گیا اس نے
دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھلا تو وہی اسٹیشن والا بندہ دروازہ کے اوپر کھڑا ہے اب

یہ اس سے پوچھ رہا ہے کیا حال ہیں؟ کیسے ہیں؟ تو پتہ چلا کہ وہ تو ہندو ہے مسلمان نہیں ہے، اس نے پوچھا جی سناؤ کیا حال ہیں؟ اس میرے ملنے والے نے مجھے پہلے سے کہا تھا کہ میرے پیچھے رہنا، سنتے رہنا، زیادہ ظاہر نہ ہونا تو وہ گرو کہنے لگا کہ بس مشکل وقت ہے میں سفر پر گیا ہوا تھا کراچی، کل ہی واپس آیا ہوں اور کل میں بیٹھ کر وہاں ''گیان'' کر رہا تھا کوئی مسلمان تھا وہ میرے سامنے آکر بیٹھا پتہ نہیں اس نے کیا کیا میری ساری کیفیت ہی ختم ہوگئی، میں وہاں سے اٹھ کر بھاگا اور دوسری جگہ جا کر بیٹھا میں پھر ذرا اپنے اندر توجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ پھر وہ آگیا، وہ کیا بلا تھی کہ اس نے ایسی توجہ ڈالی میرا تو سب کچھ ہی ختم کر دیا، یہ بات سن کر میرا ساتھی مجھے لے کر گھر آگیا کہنے لگا کہ دیکھو تم سمجھ رہے تھے کہ یہ اللہ والا ہے، یہ ہندو تھا اور آپ بیٹھے تھے اپنا سبق کر رہے تھے آپ کے اپنے سبق کے انوارات ایسے تھے کہ جب وہ اسکے دل پر پڑے تو اس کے دل کی ظلمت کو ختم کر دیا اس نے محسوس کیا کہ میرا سب کچھ ہی ختم ہو گیا تو یہ توجہ تو ایک ایسی چیز ہے جو باطن کو دھو کر رکھ دیتی ہے۔

توجہ کی حقیقت

اچھا اب دنیا کے نقطہ نظر سے دیکھو، آج دنیا کے اندر ہپناٹیزم ہوتا ہے کہ ایک بندہ دوسرے بندے کو اپنی قوت ارادی کے ذریعہ اپنے قابو میں لے لیتا ہے اب اسکو تو مانے بغیر گذارا نہیں اس لئے کہ یہ تو سائنس ہے اور ہو رہا ہے ہمیں یاد ہے کہ ہم بہت چھوٹے تھے، ہمارے شہر میں ہاتھی والی سرکس آئی تھی پانچویں چھٹی کلاس میں ہوں گے، میں نے زندگی میں ہاتھی کبھی نہیں دیکھا تھا تو میرے بڑے بھائی کہنے لگے کہ تمہیں ہاتھی دکھلاؤں میں نے کہا جی اچھا، وہ مجھے دکھانے لے گئے اور میں ایسا بدھو کہ جیسے ہی انہوں نے جا کر چھوڑا میں گیا اور ہاتھی کی سونڈ پکڑنے لگا چھوٹا سا تھا مجھے کیا پتہ ہم تو سمجھے کہ جیسے بکری کے بچے پکڑتے ہیں ویسے ہاتھی

کو بھی پکڑ لیں گے، وہ تو بھائی اچھلے اور انہوں نے مجھے جلدی پکڑ کر پیچھے کیا آج بھی یاد ہے خیر انہوں نے ہاتھی دکھایا، شیر دکھایا پھر ایک ہپناٹیزم کا تماشہ بھی تھا وہ بھی دکھانے لے گئے، وہ دیکھا تو لیا لیکن آج تک وہ مجھے حیران کرتا ہے کہ اس میں ایک لڑکی تھی عمر اس کی اندازاً کوئی بیس کے قریب قریب ہوگی وہ آئی اور اسکے ہاتھ میں ایک بانس تھا جسکے آگے ایک نیزہ سا بنا ہوا تھا اور وہ اتنا تیز تھا کہ اس نے لوگوں کو دکھایا کہ دیکھو، اس نیزے کو ایک بندے نے ذرا سا چھیڑا تو اس کی انگلی سے تو خون ہی آگیا اتنا تیز نوک دار تھا تو دو نیزے اس نے دکھائے اس کے بعد اس نے دو نیزے جا کر زمین میں گاڑ دئے اس طرح کہ دونوں کے نوکیلے سرے اوپر کی طرف تھے، اسکے بعد ایک چھوٹا سا ممبر تھا تین زینہ کا وہ دونوں نے دو نیزوں کے درمیان لا کر رکھا اس کے بعد اس لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دکھایا کہ میرے ہاتوں کے نیچے کوئی چیز نہیں ہے، پھر وہ آئی اور آکر اس زینے پر کھڑی ہوگئی اتنے میں ایک بوڑھا آیا جو ہپناٹائز کرنے والا بندہ تھا اور اسکے سامنے کھڑا ہو گیا اور 'تو کون میں کون' عامل معمول اس طرح کے اس نے الفاظ کہے جو مجھے یاد پڑتے ہیں اور اسکے بعد اس نے اسکی طرف یوں کر کے دیکھنا شروع کر دیا جیسے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہیں، ایک آدھ منٹ دیکھتا رہا، اس دوران ایک نیزا لڑکی کی اس طرف کی بغل کے اندر تھا اور دوسرا اس طرف بغل کے اندر تھا تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایسا لگا جیسے لڑکی کا بدن بالکل ڈھیلا ہو گیا جب اس نے دیکھا کہ اس کی ٹانگیں ذرا دوہری سی ہو رہی ہیں تو اسکے بعد وہ آیا اور اس نے اس کے پاؤں کے نیچے سے وہ لکڑی کا ممبر نکال لیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ لڑکی دو نیزوں کے اوپر ہوا میں لٹکی ہوئی ہے، اچھا عجیب بات یہ تھی کہ مجھے میرے بھائی نے بتایا تھا کہ یہ جو جادو ہوتا ہے یہ آنکھوں پر کیا جاتا ہے [یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی] تو میں وہاں بیٹھا ہوا آنکھیں مل رہا تھا کہ میں ٹھیک دیکھ رہا ہوں؟ اور میں صاف دیکھ رہا تھا

کہ وہ لڑکی دو نیزوں کے اوپر لٹکی ہوئی ہے لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں اب یہ اسکا کھیل تھا جب خوب تالیاں بج گئیں اور اس کو اچھی داد و دہش مل گئی اسکے بعد پھر وہ اس کی طرف اسی طرح کے اشارے کرتا رہا پھر وہ آیا اور آکر اس نے اسکی بغل میں سے ایک نیزا بھی نکال لیا اب ہم نے دیکھا کہ وہ لڑکی ایک نیزہ کے اوپر لٹکی ہوئی ہے، جب اس طرح وہ لڑکی لٹک گئی تو پھر مجمع نے تالیاں بجانا شروع کر دیں ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے خیر ایک دو منٹ اسی طرح گذری اسکے بعد وہ دوبارہ اسکی طرف ایسے ہی دیکھتا رہا اور پھر اس کے پاس آیا اور لڑکی جس کی بغل کے نیچے ایک نیزہ تھا اور اسکا وزن اس کے اوپر تھا اس نے اس لڑکی کو دونوں ٹانگوں سے پکڑا اور بالکل یوں سیدھا کر دیا جیسے جھنڈا ہوتا ہے، ہم نے دیکھا کہ یوں نیزہ تھا اور لڑکی بالکل ادھر، اب تو خیر تالیوں کی انتہا تھی، بہت دیر تک تالیاں بجتی رہیں پھر اس کو انعام بھی ملا لوگوں نے پیسے بھی بڑے دیئے کرتے کرتے اس کے بعد جب وہ کچھ دیر کے بعد پھر وہ عمل کرتا رہا پھر وہ اسکو واپس اس پوزیشن پر لایا جو نیزہ نکالا تھا دوبارہ رکھا پھر لکڑی کا منبر بھی رکھا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جیسے ہی وہ لڑکی ہوش میں آئی اسکے پورے بدن کے اوپر پسینہ آگیا، پھر اس نے آکر پسینہ پوچھا اور اس کے بدن میں اتنی کمزوری ہوگئی تھی کہ وہ چل نہیں سکتی تھی پھر اور دو بندے آئے اور انہوں نے اس کو سہارا دیا اور اس کو اٹھا کر لے گئے، یہ ہپناٹیزم آج لوگ عملاً دکھا رہے ہیں یہ کیا چیز ہے؟

حضرت سید زوار حسینؒ کا مشاہدہ

ہمارے حضرت سید زوار حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک آدمی نے کرتب دکھانے کا اعلان کیا اور اس نے کہا کہ میں آٹھ بجے آپ کو کرتب دکھاؤں گا، بہت ساری گھڑیاں اس نے لگوا دیں اب یہ ہوا کہ

لوگ آکر بیٹھ گئے دس منٹ اوپر ہو گئے، سوا آٹھ، ساڑھے آٹھ ہوئے، وہ صاحب ہی نہیں آرہے تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور آکر اس نے ممبر پر کہا کہ میں اپنے اعلان کے مطابق ٹھیک وقت پر آگیا ہوں لوگوں نے کہا آپ تو دیر سے آئیں ہیں کہنے لگا ٹائم دیکھو ٹائم دیکھا تو آٹھ بج رہے تھے اس کا تماشہ ہی یہی تھا کہ ٹائم زیادہ ہوتا تھا لیکن جب لوگ اس کی طرف دیکھتے تھے تو وہ گھڑی وعدے کے ٹائم پر ہوتی تھی، اس کا کھیل ہی یہی تھا حضرت فرماتے تھے کہ یہ ہم نے خود دیکھا ہوا ہے

انگلینڈ کا واقعہ

اور ایک مرتبہ انگلینڈ میں ایک آدمی تھا اس نے اپنا میجک دکھایا، کہ ٹی وی پر آیا اور ٹی وی پر آکر اس نے کہا کہ جتنے بھی لوگ ہیں وہ اپنے ہاتھ میں لوہے کی کوئی چیز پکڑ لیں تو کسی نے چمچ پکڑ لیا کسی نے چھری پکڑ لی تو کسی نے کار کی چابی پکڑ لی بس پکڑنے کی دیر تھی کہ ایک لمحہ میں جس کے ہاتھ میں جو چیز تھی وہ ٹیڑھی ہوگئی، یہ اس کا کرتب تھا اس پر مقدمہ کیا لوگوں نے کہ میری کار کی چابی ٹیڑھی ہوگئی کسی نے کہا میری فلاں چیز ٹیڑھی ہوگئی اس نے کہا کہ میں نے کیا کیا؟ میں نے تو کہا تھا کہ ہاتھ میں پکڑ لیں، آگے ٹیڑھا تو آپ نے کیا مگر پورے ملک کے لوگ جو ٹی وی دیکھ رہے تھے ان کے ساتھ یہ ہوا حضرت نے مجھے فرمایا کہ حقیقت میں اس بندے کو اپنی قوت ارادی کو استعمال کرنے کا طریقہ آتا تھا اس نے قوت ارادی کے ذریعہ ہر چیز کو ٹیڑھا کر کے رکھ دیا تو اگر لوگ اپنی قوت ارادی پر محنت کرتے ہیں اور وہ مداریوں کا کام کر کے دکھا دیتے ہیں تو پھر اللہ والوں کی قوت ارادی تو بہت زیادہ ہوتی ہے ان کے لئے کسی بندے کی طرف متوجہ ہو جانا اور بندے پر ان کی نظر پڑ جانا، بندے کے دل پر اثر ہو جانا، بندے کا دل نیکی کی طرف آجانا، اللہ کی محبت کی طرف آجانا یہ کونسا مشکل کام ہے،

پوچھتے ہیں کہ یہ توجہ کیا ہوتی ہے؟ تو مجھ سے جو پوچھتا ہے کہ توجہ کیا ہوتی ہے
تو میں پوچھتا ہوں کہ یہ بری نظر کیا ہوتی ہے؟ تو جب بری نظر ہوتی ہے تو اچھی
نظر نہیں ہوسکتی، کہتا ہے ہوسکتی ہے میں کہتا ہوں اسی اچھی نظر کا نام توجہ ہے، یہ
جو کہتے ہیں کہ فلاں کی نظر پڑی تو یہ ہوگیا وہ اصل میں توجہ پڑ رہی ہوتی ہے ان
بزرگوں کی قوت ارادی کا اس پر دخل ہوتا ہے اور اس پر کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں
لیکن جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو اللہ رب العزت کے ساتھ ان کا تعلق ایسا بن
چکا ہوتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھتا ہے اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں
تو توجہ کی بات سمجھ میں آئی۔

زیادہ کھانے والے سالک کا واقعہ

ہمارے سلسلہ کے بزرگ تھے حاجی دوست محمد قندھاریؒ وہ قندھار سے موسیٰ
زئی شریف آئے تھے تو وہاں ان کے پاس افغانستان سے ایک شخص آئے شاید
ان کا نام تھا ملا احمد اور وہ عالم تھے اور صوفی بھی تھے سالک بھی تھے اور ان سے
بڑھ کر وہ پہلوان بھی تھے ماشاء اللہ بڑے لحیم وشحیم چنانچہ آ کر انہوں نے حضرت
کو تعارف کروایا کہ حضرت میں ملّا فلاں ہوں میں آپ کی خدمت میں ملنے کے
لئے آیا ہوں لیکن میں ایک وقت میں ایک بکرا کھاتا ہوں اور انبار روٹیوں کا کھاتا
ہوں یہ اس نے اپنے تعارف میں کہا مگر صاحب خدا تھے وہ بکرا کھانے کے بعد
عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے یہ ان کی خوبی تھی معلوم ہوا یہ ان کی خوراک
ہی بن گئی تھی انہوں نے آ کر حضرت کو بتا دیا کہ میں اتنا کھاتا ہوں، دو تین مہینے
رہوں گا حضرت نے اس کی بات سن لی اس کے بعد لنگر کا جو ''لانگری'' تھا اس
کو بلا کر کہا کہ یہ افغانی ملا آئے ہیں تو جب کھانے کا وقت ہو تو ان کو دو ہڈیاں
ڈال دینا اور دو چپاتیاں دے دینا، ملا کہتے ہیں کہ بس میں سمجھا کہ اب بھوک سے
مر گیا لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب دستر خوان پر بیٹھا اور کھانے لگا تو میں اسکو کھا کھا

کر تھک گیا، مگر نہ دو روٹیاں ختم ہوئیں اور نہ دو بوٹیاں ختم ہوئیں، چنانچہ جب وہ
بغیر کھائے اٹھ گئے تو حضرت کو کہنے لگے حضرت پہلے بیعت کریں پھر میں کچھ
اور کروں گا، اصل میں حضرت پاس بیٹھے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھے تو کھا کھا
کر بھی دو بوٹیاں نہ کھا سکے۔

خواجہ احمد سعید قریشی

ہمارے ایک بزرگ تھے خواجہ احمد سعید قریشیؒ جو حضرت شیخ زوار حسینؒ کے شیخ
تھے بڑے کامل صاحب توجہ تھے اکثر جب وہ مراقبہ میں لوگوں پر توجہ کرتے تھے
تو بعض لوگوں پر اللہ اللہ کا ایک حال طاری ہوجاتا تھا، اب جب محلے کی
مسجدوں میں اس قسم کی بات ہو تو عجیب سی لگتی ہے لوگ کہتے ہیں ان کے پاس جن
ہیں یہ جن چڑھا دیتے ہیں اور کوئی کہتا تھا کہ بڑے پکے جادوگر ہیں یہ تو جادوگر
یہاں آئے ہوئے ہیں کوئی کہتا تھا یہ بندہ اندر سے اسکے ساتھ ملا ہوا ہے اور جب
یہ مراقبہ کرواتے ہیں تو اس کا شاگرد ناچنا شروع کردیتا ہے تاکہ مجمع کے لوگ بیعت
ہوجائیں ہر بندہ اپنی اپنی کہانیاں بتاتا تھا[اَلْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ] چنانچہ
ایک طرف غیر مقلدین کی کثرت تھی تو وہاں سے ایک بندہ آیا اس نے کہا کہ
آپ تو جادوگر ہیں آپ کا تو ایمان بھی شک میں ہے کیوں کہ آپ تو بندوں پر
جادو کردیتے ہیں، حضرت نے کہا کوئی جادو نہیں کرتا، اور وہ بندہ پٹھان تھا اس
کا نام مولوی اکبر علی تھا اور وہ غیر مقلد تھا بہرحال وہ غصہ ہونے لگا حضرت نے
فرمایا کہ غصہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ احادیث سے بھی ثابت ہے یہ توجہ
ہوتی ہے تمہیں نہیں پتہ تو کیا ہوا؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ ہم پر بھی توجہ ڈال کر دکھائیں ہم
پر بھی حال چڑھے یہ تو تمہارے پالے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جو آ کر تماشے
دکھا کر چلے جاتے ہیں حضرت نے فرمایا اچھا جب کبھی میں اکیلا ہوں تو تم میرے
پاس آجانا اگلا دن عید کا دن تھا حضرت عید کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے ساتھ

والے کمرے میں آرام فرمارہے تھے اور ادھر سے وہ مولانا اکبر علی بھی کمرے میں بیٹھ گیا کہنے لگا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب میں اکیلا ہوں تو میرے پاس آنا، حضرت نے ان کو کہا کہ بیٹھ کر مراقبہ کرو اور حضرت نے توجہ دی ایسی توجہ دی کہ مولانا اچھلنے لگ گئے اچھلتے تھے اور لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے جب خوب اچھلنے لگے تو حضرت کمرے سے نکل آئے اور اس کو کنڈی لگادی، اب اندر جناب اچھل رہے ہیں اور لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ کا ذکر جاری ہے اللہ کی شان دیکھیں کہ ادھر ظہر کا وقت ہوگیا اب حضرت بھی متوجہ اور پریشان کہ اگر اس نے ظہر کی نماز نہ پڑھی تو پھر تو اہل محلّہ کا اعتراض بہت پکا ہو جائے گا کہ یہ کیسی توجہ؟ تو حضرت اللہ سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اللہ اس بندے کو افاقہ دے دے خیر جب نماز کی اذان ہوئی تو اذان کے ساتھ اس نے چھلانگیں لگانی بند کر دیں اور وضو کے ساتھ تھا اور باہر آیا اور اس نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر اس نے خود ہی کمرے میں جا کر پھر چھلانگیں لگانا شروع کر دیں، کہتا تھا لا الہ الا اللہ، یعنی لوگ دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسکی چھلانگ ایسی تھی کہ بسا اوقات سر کمرے کی چھت کے ساتھ لگتا تھا اتنا اونچا اٹھتا تھا حضرت نے توجہ دی عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو عصر کے وقت آیا اس نے عصر کی نماز پڑھی اور عصر کی نماز کے بعد وہ ممبر پر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ لوگوں تمہیں کیا پتہ یہ صاحب قلب شخصیت ہیں اور انہوں نے مجھے ایسی توجہ دی کہ ایمان کی حلاوت مل گئی، لذت مل گئی، حضرت کے متعلق تقریر کرنی شروع کر دی، اہل محلّہ بھی حیران کہ جس کو معترض بنا کر بھیجا تھا وہ خود ہی اسکا ساتھی ہوگیا، خیر کئی لوگ جو بہت پکے غیر مقلد تھے انہوں نے کہا کہ بڑا پکا جادوگر ہے اس پر بھی جادو چڑھا دیا وہ پھر بھی نہ مانے جب وہ نہ مانے تو حضرت نے ان کو یہ الفاظ کہے کہ اگر تم میں سے کوئی صاحب بصیرت ہوتا تو وہ مولانا اکبر علی کے ہاتھ چومتا اس کو وہ نعمت ملی ہے،

بس اگلے دن یہ ہوا کہ حضرت اپنے کمرے میں ہی تھے تو ملنے کے لئے علماء

صلحا آتے تھے ایک شیخ تھے کسی دوسرے شہر کے وہ وہاں آئے ہوئے تھے تو انہوں نے سنا کہ حضرت تشریف لائے ہوئے ہیں تو حضرت کو ملنے کے لئے آئے تو وہ حضرت کے کمرے کی طرف جا رہے تھے تو ساتھ والے کمرے سے مولانا اکبر علی نکل آئے تو ان بزرگ کی جیسے ہی نظر پڑی وہ لوٹ کے مولانا کی طرف گئے ان سے معانقہ کیا اور انکے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور آ کر حضرت سے یہ الفاظ کہے کہ حضرت آپ نے یہ نعمت اتنی عام کر دی ہے حضرت نے آگے سے جواب دیا ''میں فضلی ہوں'' کیوں کہ ان کے شیخ کا نام فضل علی قریشی تھا اس نسبت سے کہا کہ میں فضلی ہوں مجھے فضل سے ملا ہے میں نے بھی اس کو عام کر دیا توجہ ایسی چیز ہے۔

خواجہ سعید احمد قریشیؒ کی توجہ

ہمارے حضرت خواجہ سعید احمد قریشیؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ توجہ دیتے تھے اور بسا اوقات پورے کے پورے شہر والوں پر توجہ ڈالتے تھے اور پھر فرمایا بھی کرتے تھے کہ شہر میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کے قلوب سے وہ نور اور توجہ ٹکرا کر واپس آتی ہے اور میں کشفا آواز سنتا ہوں کہ ہمارے لئے اس دل میں کوئی جگہ نہیں ہے فرماتے تھے میں اس توجہ سے یہ آواز سنتا تھا تو یہ توجہ ایک عجیب چیز ہے۔

خصوصی توجہ

چنانچہ ہمارے بزرگ بھی توجہ کرتے رہتے ہیں مگر ذہن میں رکھنا کہ یہ وہ توجہ اپنی مرضی سے نہیں کر پاتے عام توجہ تو اپنی مرضی سے ہو جاتی ہے لیکن جو خصوصی توجہ ہوتی ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہوتی ہے چنانچہ خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ مجمع میں فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو پورے مجمع کو تڑپا کر رکھ دوں مگر مجھے اوپر سے

ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک عام توجہ ہوتی ہے وہ
تو شیخ کی ہر وقت ہی چلتی رہتی ہے لیکن خصوصی توجہ جو اس قسم کی ہوتی ہے یہ جب
اللہ کی طرف سے کوئی اشارہ ہوتا ہے تب جا کر یہ ان سے ظاہر ہوتی ہے یہ وہ توجہ
تھی جو خواجہ باقی باللہؒ نے ایک نان بائی کے اوپر ڈالی تھی اور اللہ نے اس کو حضرت
خواجہ باقی باللہؒ جیسی کیفیت عطا فرمادی تھی اس خصوصی توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ
اللہ کے سامنے روئے مانگے اور عاجزی کرے اللہ اس پر رحم فرمائے اور وہ پھر شیخ
کے دل میں ڈال دیتے ہیں، شیخ تو، ڈاکیہ ہی ہوتا ہے اور اس نے ڈاک پہنچا دینی
ہوتی ہے کسی کا پیکٹ چھوٹا ہے کسی کا بڑا ہے، بھیجنے والا تو کوئی پیچھے ہوتا ہے، یہی
معاملہ ہے اسلئے آپ جتنا مراقبہ کریں گے جتنا زیادہ اتباع سنت کریں گے جتنا
زیادہ گناہوں سے بچیں گے اتنا زیادہ یہ توجہ خود بخود آپ کو شیخ کے قلب سے پہنچتی
رہے گی چونکہ ایک روحانی رشتہ ہوتا ہے اسکو رابطہ قلبی کہتے ہیں۔

رابطہ ءِ قلبی

شیخ کے ساتھ رابطہ قلبی رکھنا کہ اگر غیبت میں ہو، دور ہو تو وقوف قلبی اور اگر سامنے
ہو یا قریب میں ہو تو رابطہ قلبی، رابطہ قلبی یہی ہوتا ہے کہ اپنے قلب کو خالی سمجھیں
اور شیخ کے قلب کے ساتھ جڑا ہوا سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ انکے قلب سے فیض میرے
قلب کے اندر منتقل ہو رہا ہے، تو اسلئے اس نعمت کو فیض عمومی کہتے ہیں، توجہ شیخ کی
ہر وقت ہی جاری رہتی ہے

خصوصی توجہ کے لئے عام طور پر جب اللہ رب العزت ان کے دل میں بات
ڈالتے ہیں پھر وہ متوجہ ہوتے ہیں اگر کسی پر توجہ کا اثر ہو تو وہ یوں سمجھے کہ مجھے کسی
کی نیک نظر لگ گئی ہے ؎

آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

بندہ دو چار دن شیخ کی صحبت میں گذار کر جاتا ہے اسکے اثرات محسوس کرتا ہے
یقیناً اثرات ہوتے ہیں، اسلئے ہمارے مشائخ بہت قوی التوجہ ہوئے ہیں اسکی وجہ
یہ ہے کہ ان کا کام ہی ہے ہر وقت قلب کے ساتھ اور قلب ہی سے توجہ ڈالنی ہوتی
ہے تو جب ہر وقت ان کا کام ہی قلب کے ساتھ ہے تو وہ قلب کے تو اسپیشلسٹ
ہوگئے تو جب قلب کے اسپیشلسٹ ہوگئے تو قلب سے توجہ ڈالنا تو پھر ان کے
لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے، اسلئے ہمارے مشائخ ظاہر میں خاموش نظر آتے
ہیں مگر بہت قوی التوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر میں خاموش

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ اس سلسلہ
کے مشائخ کو آپ ظاہر میں دیکھیں گے تو بہت ٹھنڈے نظر آئیں گے مگر بہت
قوی التوجہ ہوتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ ہر وقت ہی انہوں نے قلب کی طرف
متوجہ رہنا ہوتا ہے تو جب قلب کی قوت ارادی نے کام دکھانا ہوتا ہے تو پھر دوسرے
پر اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، قلب کی قوت ارادی بہت قوی الاثر ہوتی ہے ایک
اور سلسلہ کے لوگ تھے تو وہ کہنے لگے کہ جی یہ جو نقشبندی ہے بہت ہی ٹھنڈے
ہوتے ہیں ان کے یہاں کیا توجہ ہوگی؟ توجہ تو ہوتی ہے ہمارے سلسلہ میں، جہاں
ہو ہا عشق اور مستی نعرے اور سب کچھ ہے توجہ تو وہاں ہوتی ہے تو وہ جو بزرگ تھے
انہوں نے مسکرا کر کہا ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَاراً﴾ اللہ
وہ ذات ہے جس نے سبز درخت میں سے تمہارے لئے آگ بنادی، اسی طرح
یہ حضرات ظاہر میں ٹھنڈے نظر آتے ہیں مگر اللہ نے ان کے باطن میں اپنی محبت
کی آگ رکھی ہے، انکی توجہ ایسی ہوتی کہ دیکھنے میں پتہ بھی نہیں چلتا لیکن توجہ ہور
ہی ہوتی ہے۔

ہمارے حضرتؒ باقاعدہ جن کو اجازت وخلافت دیتے تھے ان کو توجہ ڈالنا سکھاتے

تھے یہ کوئی کچی نسبت نہیں ہے، میں حیران ہوتا ہوں کہ میرے پاس بہت سارے
سلاسل کے خلفاء آتے ہیں ہزاروں مریدین ہوتے ہیں وہ مجھ سے پوچھتے ہیں
کہ یہ توجہ کیا ہوتی ہے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بس اصلاحی تعلق والی ایک بیعت
ہوتی ہے جو چل رہی ہوتی ہے وہ جو روحانیت والی بیعت تھی وہ نہیں چل رہی ہوتی،
تو اسلئے ہمارے مشائخ کو اللہ رب العزت نے یہ نعمت دی الحمد للہ اسلئے ان کی صحبت
میں جو بندہ چند دن رہ جاتا ہے اسکے دل پر اسکی تأثیر ہوتی ہے، اثر ہوتا ہے۔

رابطۂ قلبی کا نعم البدل

تو جب آپ دور ہوا کریں تو وقوف قلبی یعنی اللہ کی طرف دھیان رکھیں، اور
جب قریب ہوا کریں مثلاً مسجد میں ہیں یا مجلس میں ہیں تو اس وقت رابطہ قلبی
رکھیں، رابطہ قلبی یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے دل کو خالی سمجھے اور سمجھے کہ اللہ کی رحمت
نبی ﷺ کے قلب مبارک سے مشائخ کے واسطہ سے میرے شیخ کے قلب پر آ رہی
ہے اور میرے شیخ کے قلب سے میری طرف منعکس ہو رہی ہے بس اس نیت کو
لے کر بیٹھنے سے گویا اس نے اپنے شیخ کے ساتھ قلبی رابطہ مکمل کر لیا اللہ تعالی یہ
ایک باطنی نعمت اسکے دل میں اس طرح پہنچا دیتے ہیں کہ پتہ بھی نہیں چلتا،

فیض باطن ملنے کی علامتیں

تو اس نور و فیض کو جب انسان حاصل کرتا ہے تو اس کی کیفیات مختلف ہوتی
ہیں، بعض بندوں کے اندر اللہ کی محبت بڑھ جاتی ہے، بعض کے اندر نیکی کا شوق
بڑھ جاتا ہے، بعض بندوں کی طبیعت میں ایک انبساط و انشراح محسوس ہوتا ہے،
وہ سمجھتے نہیں کہ ہمیں ہوا کیا ہے؟ لیکن طبیعت کے اندر انبساط و انشراح کا آ جانا
یہ بھی اسی فیض کے ملنے کی علامت ہوتی ہے، اور بعض لوگوں کو کئی مرتبہ رات کو
نیند کم آتی ہے نماز پڑھنے کو دل چاہتا ہے، ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے، تسبیح پھیرنے

کو دل چاہتا ہے، یہ فیض کی مختلف علامات ہوتی ہیں۔
ہمارے حضرت خواجہ غلام حبیبؒ ماشاء اللہ بہت قوی التوجہ بزرگ تھے، آنے
والے کو ایک ہی مراقبہ میں تڑپا دیتے تھے، تو یہ توجہ اور فیض دو لفظ تھے جو آج مجھے
آپ کے سامنے کھولنے تھے تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ حقیقت میں بنیادی طور
پر یہ قوت ارادی ہوتی ہے اس قوت ارادی کو جب نیکی کے کام میں استعمال کرتے
ہیں اس کو توجہ کہہ دیتے ہیں اور چونکہ نیت خیر کی ہوتی ہے اسلئے بندہ نیکی کی طرف
آ جاتا ہے اسی لئے ایسے حضرات کسی سے بات کرتے ہیں تو اللہ تعالی اپنی رحمت
سے پھر اس بندے کو عمل کی توفیق دے دیتے ہیں، ورنہ آپ نے دیکھا کہ واعظ
حضرات کیسی کیسی تقریریں کرتے ہیں مجمع کو رلا دیتے ہیں، مجمع کو ہنسا دیتے ہیں،
نعرے لگوا دیتے ہیں مگر مجمع میں سے کتنے ہوتے ہیں جو زندگی بدلنے کی نیت
لے کر اٹھتے ہیں،
ابھی دو چار دن پہلے جب باہر ایک جگہ دورۂ قرآن ختم ہوا اور اس عاجز نے
دعا کروائی تو مجھے یہ باقاعدہ پیغام ملا کہ اس مختصر سے بیان اور دعا کے بعد کتنی
عورتیں تھیں جو شرعی پردہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئیں، جو معلّمہ یہ دورہ کروا رہی
تھی اسکے سامنے اس طرح لائن لگ گئی جیسے دستار بندی کے لئے بچوں کی لائن
لگ جاتی ہے وہ عورتیں نقاب لے لے کر آتی تھیں کہ ہم آپ کے ہاتھ سے بندھوانا
چاہتی ہیں آج کے بعد ہم اسکو مستقل باندھیں گی اور یہ کہاں ہوا؟ دنیا کے اس
علاقے میں جہاں نقاب پہن کر رہنا بڑا ہی مشکل کام ہے، تو ایک مختصر دعا اور بیان
کے بعد درجنوں کے حساب سے عورتیں آتی ہیں کہ ہمیں نقاب پہنا دیں ہم آج
کے بعد نقاب والی زندگی گذاریں گے، تو یہ توفیق اللہ دے رہا ہے تو اس توجہ کی
برکات میں سے ایک یہ برکت ہے کہ بندہ نیکی کی طرف کھنچتا ہے، خود بخود اس
کو اللہ کی طرف سے عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے اسلئے ہر بندہ طلبگار رہتا ہے
کہ میں شیخ کی نظر میں رہوں شیخ کی توجہ میرے اوپر رہے وہ قریب کا رابطہ رکھتا

ہے اور زیادہ قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے بہر حال جس کا جو نصیب ہوتا ہے وہ پالیتا ہے اللہ تعالی اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرمائیں۔

حضرت نانوتویؒ کی ایک کیفیت

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھنے لگا تو اچانک مجھے اپنے جسم میں پسینہ محسوس ہونے لگا گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی کہنے لگے میں نے ڈائری میں وقت لکھ کر رکھ لیا کہ اس دن اتنے بجے میرے اوپر یہ کیفیت سی ہوئی ، کہنے لگے کہ جب دو تین دن گذرے تو میرے استاذ مولانا یعقوب نانوتویؒ کا خط آیا اور انہوں نے خط کے اوپر وہی تاریخ اور وہی وقت لکھا ہوا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب استاذ ان کو خط لکھ رہے تھے تو باطنی طور پر استاذ کی توجہ ان کے قلب پر آرہی تھی جس کو حضرت قاسم نانوتویؒ نماز کے اندر یوں محسوس کر رہے تھے ،تو توجہ ایسی چیز ہے اسلئے مشائخ اس توجہ کو کسی مادی مقصد کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے ہرگز استعمال نہیں کرنے دیتے ، اسی لئے پھر ہر بندے کو اجازت نہیں دیتے کوئی سبق کر بھی لے تو اجازت نہیں دیتے ،اسباق کا کر لینا اور چیز ہے اور اس کو اجازت دے دینا ایک اور چیز ہے، اجازت کی شرائط اس میں محسوس کرتے ہیں تب دیتے ہیں اور مشائخ نقشبند اس وقت وعدہ لیتے ہیں کہ تم اس توجہ کو دنیا کے مقصد کے لئے استعمال نہیں کرو گے اور کیوں کہ اللہ کی رضا کے لئے استعمال کرتے ہیں تو برکتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں، بہر حال دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے دلوں کو نیکی پر جمادے۔

وقوف قلبی

وقوف قلبی کا لفظ تو آپ نے سنا ہوگا وقوف قلبی اس کو کہتے ہیں کہ اپنی توجہ اللہ کی طرف رکھنا یعنی ٹھہرے رہنا، دل کے اوپر توجہ ٹھہرے رہنے کا کیا مطلب؟

کہ دل کو اللہ کی یاد میں جمائے رکھنا ،ایک ہوتا ہے اللہ اللہ کرنا وہ مراقبہ میں کیا جاتا ہے، وقوف قلبی میں نہیں ہوتا بلکہ اس میں صرف اللہ کی طرف دھیان اور سوچ رکھنا ہوتا ہے اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ جیسے کسی ماں کا جوان بیٹا فوت ہو جائے تو کچھ عرصہ اس کو ہر وقت بیٹے کی یاد رہتی ہے اسی کا نام وقوف قلبی ہے اس کو ''وقوف بیٹا'' نصیب ہو جاتا ہے سارا دن بیٹے کا خیال، ساری رات بیٹے کا خیال ،صبح وشام بیٹے کا خیال اس کو وقوف بیٹا نصیب ہو گیا اب کئی مائیں تو سالوں یاد رکھتی ہیں کہ ہمیں یاد آتا ہے ہم بھول نہیں پاتیں تو جس طرح اس کو وقوف بیٹا نصیب ہو گیا بندے کو اگر وقوف قلبی نصیب ہو جائے ،اللہ کی طرف دھیان نصیب ہو جائے تو یہ کونسی مشکل بات ہے، انسان کو ایسا ملکہ مل جاتا ہے کہ ایک لمحہ بھی اللہ سے دھیان نہیں ہٹتا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ کا واقعہ

خواجہ حضرت عزیز الحسن مجذوبؒ ایک مرتبہ محفل میں بیٹھے تھے تو انہوں نے لطیفے سنانے شروع کر دیئے اور جم کر لطیفے سنائے اب لطیفہ تو آپ کو پتہ ہی ہے کہ بندے کو ہنسا دیتے ہیں، لہذا سب خوب ہنسے ،مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک گھنٹہ ہنسا ہنسا کر برا حال کر دیا پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ سچ سچ بتائیں اس ایک گھنٹے میں آپ میں سے کون تھا کہ جس کی اللہ کی طرف توجہ رہی، کہنے لگے ہم تو حیران کہ اس حالت میں بھی اللہ کی طرف توجہ؟ تو پھر فرمانے لگے کہ الحمد للہ ایک گھنٹہ میں نے آپ لوگوں کو ہنسایا ہے اس ایک گھنٹہ میں ایک لمحہ بھی میرا دل اللہ سے غافل نہیں ہوا اس کو ''وقوف قلبی'' کہتے ہیں کہ ہاتھ کام کاج میں ہوں اور دل اللہ تعالی کی یاد میں ہو ، یہ بڑی نعمت ہے اور اس سلسلہ میں محنت کرنی چاہیئے پھر دولت اللہ کے فضل سے حاصل ہو جاتی ہے، دعا ہے اللہ تعالی ہمیں وقوف قلبی عطا فرمادیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

سوالات کے جوابات

یہ سوالات حضرت سے سالکین نے جھنگ اجتماع کے موقع پر دریافت کئے تھے نفع کی خاطر شامل کیا جارہا ہے

سوال اگر سالک کے لطائف بند ہوں تو کیا کرے؟

جواب: اپنے شیخ کو بتائیں اور شیخ جو عمل کرنے کو کہیں وہ کرنا چاہیئے۔

سوال: خلوت میں مراقبہ کرتے وقت شیخ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے؟

جواب: خلوت میں مراقبہ کرتے وقت صرف ذکر کی طرف توجہ کرنی چاہیئے شیخ کی موجودگی میں شیخ کی طرف رابطہ کی ضرورت ہے۔

سوال: سالک تربیت کی خاطر اپنے اہل خانہ کو مراقبہ کرواسکتا ہے؟

جواب: نہیں جب تک شیخ کی طرف سے اجازت نہ ہو اس وقت تک نہ کرائے، شیخ کی طرف سے بتا تو سکتا ہے کہ یوں مراقبہ کرنا چاہیئے البتہ کروا نہیں سکتا۔

سوال: اگر کوشش کے باوجود گناہ میں مبتلا ہو تو کیا حل ہے؟

جواب: گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرے اور شیخ کو بتائے اور وہ جو علاج تجویز کریں اس پر عمل کرے گھبرانا نہیں چاہیئے بار بار توبہ کرنا یہ بھی استقامت کی دلیل ہے، اگر شیطان گناہ کروانے سے باز نہیں آتا تو پھر ہم توبہ کروانے سے باز کیوں آتے ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ بخشتے ہوئے نہیں تھکتے تو ہم معافی مانگتے ہوئے کیوں تھک جاتے ہیں۔

سوال: نماز میں اگر تصور آئے تو کیا پڑھنا چاہیئے؟

جواب: پڑھنا تو وہی چاہیئے جو نماز میں ہے اسکے معانی کی طرف دھیان کرنا چاہیئے۔

سوال: کیا والدین کی مرضی کے بغیر عالم بن سکتا ہے؟

جواب: والدین کی اجازت لے کر عالم بنے گا تو برکت زیادہ ہوگی، اور ہمنے یہ دیکھا ہے کہ طلبا عاجزی پیدا نہیں کرتے کوئی والدین ایسے نہیں ہیں کہ بچہ رو روکر مانگے اور والدین اسکو اجازت نہ دیدیں ضد کرکے والدین کی نافرمانی کرکے نہ جائے ماں باپ کے سامنے جھکنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے اس لئے ماں باپ کی دعائیں لے کر جانا چاہیئے۔

سوال: حالات بتانے سے مراد باطنی حالات یا دنیوی حالات؟

جواب: باطنی حالات ضرور بتانے چاہئیں اگر انکا تعلق دنیوی حالات کے ساتھ ہو تو وہ بھی عرض کردے ورنہ ضرورت نہیں ہوتی۔

ضربیں کسی کہ نام کی دل پہ یوں ہی لگائے جا

تو ہو کسی بھی حال میں مولی سے لو لگائے جا
قدرت ذوالجلال میں کیا نہیں گڑگڑائے جا

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا

اشک یونہی بہائے جا دل کی لگی بجھائے جا
آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتش غم بڑھائے جا

حسن تماشہ دوست کو عشق کرشمہ ساز تو
کھیل یونہی نئے نئے شام وسحر دکھائے جا

ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یونہی لگائے جا
گو نہ ملے جواب کچھ در یونہی کھٹ کھٹائے جا

کھولیں وہ یا نہ کھولیں دراس پہ ہو کیوں تیری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

ہاں مجھے مثل کیمیا خاک میں تو ملائے جا
شان میری گھٹائے جا رتبہ میرا بڑھائے جا

سب ہوں حجاب بر طرف دیکھوں تجھی کو ہر طرف
پردے یونہی اٹھائے جا جلوے یونہی دکھائے جا

جام پہ جام لائے جا شان کرم دکھائے جا
پیاس میری بڑھائے جا روز نئی پلائے جا

پوری نہیں ہے بے خودی کرتا ہوں مستیاں ابھی
ہوش میرے اڑائے جا اور ابھی چکھائے جا

تیری بلا سے کچھ ہو بس تو تو ادا دکھائے جا
روتا ہے روئے کل جہاں تو یونہی مسکرائے جا

غم سے کہاں فراغ ہے دل پہ تو روز داغ ہے
قبضہ میں تیرے باگ ہے نت نئے گل کھلائے جا

دیکھ یہ راہ عشق ہے ہوتی ہے بس یونہی یہ طے
سینے پہ تیر کھائے جا آگے قدم بڑھائے جا

یہ نہیں ظلم دشمناں یہ ہے جفائے جان جاں
صورت ہے ابر تو بھی ہاں روتے میں مسکرائے جا

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

مناجات

اللہ اللہ اللہ

ایک نشہ سا ہے جو چھائے ہے ترے نام کے ساتھ
اک تسلی سی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

عنبر و عود لٹائے ہے تیری یاد جمیل
ایک خوشبوسی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

گویا کونین کی دولت کو سمیٹا اس نے
دل کی دنیا جو بسائے ہے تیرے نام کے ساتھ

ہے ترا ذکر حلاوت میں کچھ ایسا کہ زباں
اک نیا ذائقہ پائے ہے تیرے نام کے ساتھ

دل تڑپتا ہے سنے جب بھی تیرا نام کہیں
آنکھ بھی اشک بہائے ہے تیرے نام کے ساتھ

خوب کیا عشق الٰہی کا اثر ہوتا ہے
روح بھی وجد میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

حشر کیا ہوگا بھلا ان کا تری دید کے دن
جن کا دل جوش میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

خوب جی بھر کے جو کرتا ہے ترا ذکر فقیر
دل کی ظلمت کو مٹائے ہے تیرے نام کے ساتھ

اللہ اللہ اللہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود وزیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال ودولت دنیا یہ رشتہ وپیوند
بتان وہم وگماں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

مناجات

میں ترے سامنے جھک رہا ہوں خدا — میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
میں گنہگار ہوں میں سیاہ کار ہوں — میں خطا کار ہوں میں سزاوار ہوں
میرے سجدوں میں تیری ہی حمد وثنا — میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
میری توبہ ہے توبہ اے میرے الہ — مجھ گنہگار کو تو نہ دینا سزا
میری آہوں کو سن لے اے حاجت روا — میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا
میں تو غفار ہوں تو نے خود ہی کہا — نہیں کوئی نہیں ہے شہباز کا
بخشدوں گا تجھے یہ ہے وعدہ ترا — میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا